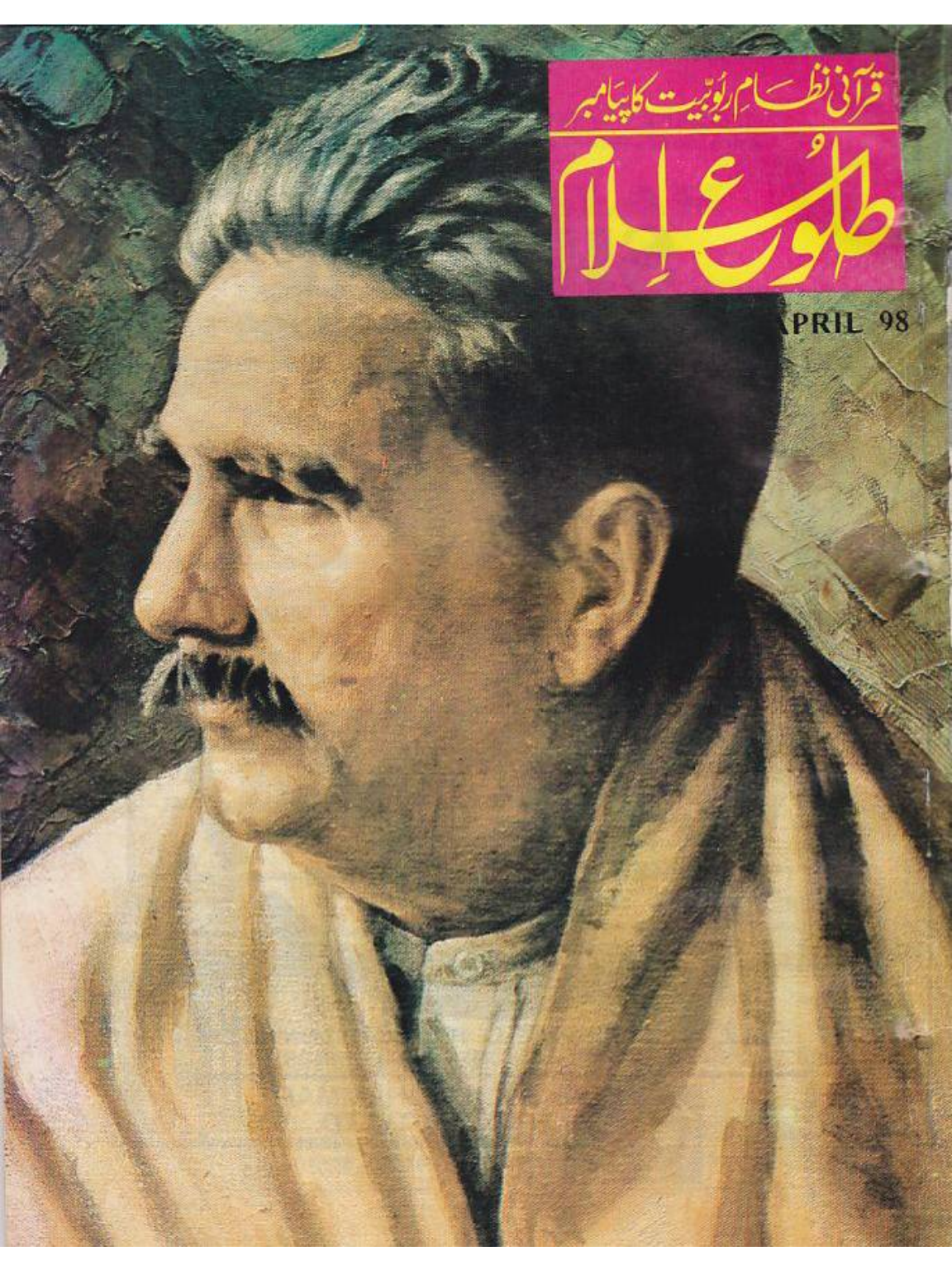

قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

طلوعِ اسلام

APRIL 98

کامل مومن وہ ہے جو خوش اخلاق اور گھر والوں سے نرم سلوک کرنے والا ہو۔ (ترمذی)

A perfect believer is that who is nice in behaviour and kind to his family members. (Tirmizi)

SHAHAB

QUALITY PISTON RINGS

THE ONLY MANUFACTURERS OF INTERNATIONAL QUALITY PISTON RINGS IN PAKISTAN.

MINIMIZE WEAR
RESTORE COMPRESSION
GET MORE POWER
CONTROL OIL

CALL US FOR THE EXCELLENT RECONDITIONING OF AUTOMOBILE ENGINES OF ALL KINDS.

M. SHAH MOHAMMAD & SONS (PVT.) LTD.

OUTSIDE PAK GATE, MULTAN, PAKISTAN
PHONE OFFICES: 545071, 75571, 539071-73
FACTORY 550171

Monthly

TOLU-E-ISLAM

25-B GULBERG II
TOLU-E-ISLAM ROAD
LAHORE

CHAIRMAN
Ayaz Hussain Ansari
NAZIM
Muhammad Latif Chaudhery
Circulation Manager
Mirza M. Zamurrad Baig

EDITOR
Muhammad Latif Chaudhery
ADVISORS
Abdullah Sani
Dr.Salah ud Din Akbar
Bashir Ahmed Abid

PUBLISHER
Ata-ur-Rahman Arain
PRINTER
M.S.Adil
PRESS
Zahid Bashir Printing Press
Ratigen Road
Lahore

QUICK CONTACTS
LAHORE
tluislam@brain.net.pk
tolueislam@pol.com.pk
farata@brain.net.pk
Fax-042 5764484
Ph. 876219, 5753666
6541521 Res-Nazim
PESHAWAR
saaniaan@paknet1.ptc.pk
KARACHI
wshafiq@hotmail.com
KUWAIT
teeba@ncc.moc.kw
LONDON
maqbool.farhat@virgin.net
NORWAY
khadim@online.no
CANADA
Alquran@idirect.ca

Volume: 51 ISSUE 04 APRIL 98

Like all leading Journals of the world Tolu-e-Islam intends to adopt a Title page permanently. Patrons are requested to give glimpse of the Title page they wish to see - Editor

FOR TABLE OF CONTENTS PLEASE TURN OVER

مشمولات

اقبالیات

1- لمعات	ادارہ	3
2- 60 سال پہلے	علامہ غلام احمد پرویزؒ	5
3- اقبال اور فریاد	قدرت اللہ شہاب	24
IQBAL -4	علامہ آئی آئی قاضی	64

معاشیات

1- زکوٰۃ کا نظام	علامہ رحمت اللہ طارق	9
2- سود اور قرآن کا معاشی نظام	میاں حماد مرتضیٰ	27
3- مسیح بے صلیب	محمد لطیف چوہدری	37

اصلاح احوال

1- ایک کانفرنس	ڈاکٹر شبیر احمد	20
2- شرف انسانیت	بشیر احمد منگی	39
3- اسلاف پرستی	علی محمد چیچہ حر	48

گپ شپ

1- کتے مار دوائی	ماخوذ	44

متفرق

1- رپوتاژ	مقبول محمود فرحت	45
2- سادہ پانی سے علاج	ماخوذ	47
LIBERATION OR SEPARATION -3	تنویر مفتی	53

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمعات

اگرچہ میکدہ سے اٹھ کے چل دیا ساقی
وہ مئے وہ خم، وہ صراحی وہ جام باقی ہے

بیسویں صدی کا چراغ ٹمٹما رہا ہے، اکیسویں صدی کی کرنیں نمودار ہونا شروع ہو چکی ہیں، (اکیسویں صدی کو اگر دو ہزاری کہیں تو زیادہ مناسب ہو گا۔ بہرحال)۔ تاریخ کے دھارے میں دو سال صرف دو لمحے ہی سمجھے جاتے ہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ ہم اکیسویں صدی میں آنکھیں بند کر کے داخل ہوں گے یا ہمارے ہاتھ میں کوئی راہ دکھانے والی مشعل بھی ہو گی۔ انسانیت کے لئے جس مشعل کا انتظام کیا گیا تھا اس مشعل کی روشنی کو ماند کرنے کے لئے گزشتہ بارہ تیرہ صدیوں سے کیا کیا جتن نہیں کئے گئے، لیکن اس کے باوجود ہر صدی میں ایک دو ایسی ہستیاں پیدا ہوتی رہی ہیں جن کا کام صرف اور صرف یہی رہا ہے کہ وہ اس مشعل کو ضوفشاں رکھیں۔ بیسویں صدی نے برصغیر کو جن عظیم المرتبت شخصیات سے نوازا ان میں سرسید احمد خانؒ، علامہ تمنا عمادیؒ، علامہ اسلم جیراجپوریؒ، علامہ اقبالؒ، قائداعظم محمد علی جناحؒ اور علامہ غلام احمد پرویزؒ شامل ہیں۔ ان سپہ سالاران قوم میں اقبالؒ خاص طور پر قابل ذکر ہیں یہ علامہ اقبال ہی تھے جنہوں نے اس مملکت کا تصور پیش کیا اور قرآن کریم کی روشنی عام کرنے میں ایک لمحہ فروگذاشت نہ کیا۔ 21 اپریل 1938ء برصغیر کی تاریخ کا وہ دن ہے جس دن علامہ اقبالؒ ہم سے رخصت ہو کر سفر آخرت پر روانہ ہوئے۔

وقت کسی کا لحاظ کئے بغیر تیزی سے گزرتا جا رہا ہے۔ پچھلی ایک تہائی صدی سے زمان و مکان اس تیزی سے سکڑ گئے ہیں کہ انسان نے چاند اور ستاروں پر کمندیں ڈال دی ہیں۔ کہکشائیں جو کبھی بچوں کو سلانے کے لئے لوری کا کام دیتی تھیں انسانی قدموں کے نیچے ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ "عروج آدم خاکی" نے خود "آدم" کی سسکیوں کا کیا علاج کیا ہے۔ کرہ ارض پر اللہ کا دیا ہوا رزق بے حساب موجود ہے لیکن اس کے باوجود ہر روز ہزاروں انسان بھوکے اور پیاسے مر رہے ہیں۔ مذہب کے نام پر انسان کا خون اتنا ارزاں ہو چکا ہے کہ شیطان نے جو یہ کہا تھا کہ یہ زمین پر فساد پھیلائے گا اور خون بہائے گا، سچ ثابت ہو رہا ہے۔ یہ ملک تو اقبال کے الفاظ میں اسلام کو اپنی اصلی اور نئی شکل میں نافذ کرنے کے لئے حاصل کیا گیا تھا، اس ملک میں اسلام نے اس چھاپ سے نجات حاصل کرنی تھی جو عرب ملوکیت نے اس پر لگا رکھی تھی۔ دنیا جانتی ہے کہ اسلام امن و سلامتی اور تکریم آدمیت کا ضامن ہے مگر یہاں حالت یہ ہے کہ اخبارات جرائم کی خبروں سے بھرے ہوتے ہیں۔ عین یوم خواتین کے بین الاقوامی دن کے موقعے پر پشاور کی سب سے بڑی سرکاری عمارت سیکرٹریٹ (امور داخلہ) میں بارہ سالہ بچی جس حالت میں بے ہوش پائی گئی اور جو جو قیاس آرائیاں اور تفصیلات اخباروں کے صفحات پہ سیاہی بکھیر گئیں وہ ساری قوم کو شرمندہ کرنے کو کافی ہیں۔ کیا اس بڑی سرکاری عمارت کے پاس کوئی محافظ نہ تھے۔ نہیں تھے تو

کیوں نہیں تھے؟ اور اگر تھے تو ان کے ہوتے ہوئے ایسا کیونکر ممکن ہوا؟

ہم تہوار اور یوم بڑی دھوم دھام سے مناتے ہیں۔ اقبال کا یوم وفات اور یوم پیدائش بھی عقیدت سے منائے جاتے ہیں۔ مگر یہ کوئی نہیں سوچتا کہ اقبال" نے متحدہ مملکت کا تصور اس لئے دیا تھا کہ آزادی حاصل کر کے ہم آگے بڑھیں نہ اس لئے کہ ہم مادر پدر آزاد ہو کر پستیوں کی راہ اپنا لیں۔ نہ اقبال" کے نام لیواؤں کو اس بات کا خیال آتا ہے کہ اقبال نے تو وحدت ملت کا درس دیا تھا اور ہم ہیں کہ مذہبی' سیاسی اور لسانی گروہوں میں بٹ کر اقبال کی فکر کا مذاق اڑا رہے ہیں اور نہ ہمارے مذہبی راہنما یہ سوچنے کے لئے تیار ہیں کہ ایک خدا' ایک رسول ﷺ ایک قرآن پر ایمان لانے والی کی یہ امت ایک کیوں نہ بن سکی۔ پچھلے پچاس سال میں مادی ترقی کی طرف تو ہم کوئی خاص توجہ نہیں دے سکے روحانی ترقی میں البتہ ہمارا کوئی ثانی نہیں۔ ملک میں اتنے کارخانے کام نہیں کر رہے جتنے مذہبی فرقے کام کر رہے ہیں۔ صنعتیں بیمار ہیں' فرقے تندرست و توانا۔ اس ترقی کے باوجود بدانتظامی اور معاشی بدحالی کے علاوہ دہشت گردی اور فرقہ واریت نے جہاں عوام کا سکون تباہ کیا ہے وہاں حکومت کی نیندیں بھی حرام کر رکھی ہیں۔ حکومت اگر فرقہ واریت کو ختم کرنے کے لئے سنجیدہ ہے تو جرات مندانہ قدم اٹھاتے ہوئے سب سے پہلے اسے مسجدوں کا انتظام و انصرام اپنے ہاتھ میں لے لینا چاہئے۔ اللہ کا فرمان ہے۔

"ان المساجد للہ (سورہ جن)

"بے شک مساجد اللہ کی ملکیت ہیں"

لہذا انہیں مرکز ملت کی تحویل میں رہنا چاہئے۔

FOR ALL QUERIES
AND
TOLU-E-ISLAM
LITERATURE
PLEASE CONTACT

LAHORE
tluislam@brain.net.pk
tolueislam@pol.com.pk
farata@brain.net.pk
Fax-042 5764484
PESHAWAR
saaniaan@paknet1.ptc.pk
KARACHI
wshafiq@hotmail.com
KUWAIT
teeba@ncc.moc.kw
LONDON
maqbool.farhat@virgin.net
NORWAY
khadim@online.no
CANADA
alquran@idirect.ca

IDARA TOLU-E-ISLAM
25-B GULBERG II
TOUL-E-ISLAM ROAD
LAHORE

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علامہ غلام احمد پرویزؒ

60 سال پہلے

دگر دانائے راز آید کہ ناید

کیا خبر تھی کہ " طلوع اسلام " جس اسلامی مفکر کے فلسفہ حیات کا صور پھونکنے' اور مسلمانوں کو صحیح اسلام سے روشناس کرانے کے لئے میدان میں نکلنے والا ہے' وہ علم و عرفان کی دنیا کو یتیم اور غمزدہ چھوڑ کر خدائے کون و مکاں کی لقا کے لئے بے تاب بیٹھا ہے اور مادی قباء کو تن نورانی سے اتار پھینکنے پر تلا ہوا ہے! سچ یہ ہے کہ علامہ محمد اقبال مرحوم و مغفور کو **فان اجل اللہ لات** کی لے اتنی پیاری لگی کہ پیاسی دنیا کو سیراب کرنے کا خیال ہی نہ رہا اور شیفتگی اور وارفتگی کے عالم میں اتنے تیز قدم اٹھائے کہ علم و فکر کی آبادی اس نقیب زندگی کو دیکھتی کی دیکھتی ہی رہ گئی۔

مرحوم کو خیال ہی نہ رہا کہ فطرت کہ بخشائشیں کن امور کی منتظر ہیں اور علم و حکمت کو ابھی ان کی کس قدر ضرورت ہے۔ حقیقت میں یہ عاشق رسول' یہ حکیم اسلام۔ یہ علم و معرفت کا قلزم اور اسلام کا بے مثال فلسفی

من کان یرجو لقاء اللہ فان اجل اللہ لات

(29/5) کی صبر شکن صدا کو سن کر کب تک صبر کرتا؟ اس نے غیب سے یہ صدا سنی' لبیک کہا اور علم و حکمت کو روتا اور خود مسکراتا ہوا اپنے محبوب کے پاس چلا گیا!

*__*__*

مرحوم نے اپنے غریب خانہ پر 21 اپریل 1938ء کی صبح کو 5:30 بجے انتقال فرمایا اور جس خوف سے ساری عمر مسلمانوں کو بے خوف کرتے رہے اس سے یہ کہہ کر۔

"میں مسلمان ہوں اس لئے خوشی سے موت کا استقبال کرتا ہوں۔"

موت سے بغلگیر ہو گئے اور اپنے آخری وقت میں بھی دنیا کو اسلام کی تفسیر بتا دی!

آپ کی وفات سے نہ صرف مشرق کی تابندہ و پائندہ شاعری کو نقصان پہنچا' نہ صرف علم و حکمت کی دنیا یتیم ہو گئی' نہ صرف اجتماعی زندگی کی شمع گل ہوئی بلکہ انسانی ضمیر کا وہ احساس گم ہو گیا ہے جو وحدت انسانی کی بنیاد' رجائیت و عمل کی اساس اور فکر و حیات کا سرچشمہ تھا۔

مرحوم و مغفور اقبال' اردو شاعری کے باعث ہندوستان میں اور فارسی کلام کے باعث دنیا کے گوشہ گوشہ میں متعارف ہیں اور ہر شخص ان کے خیالات و نظریات سے ان کے کمالات علمی کا اندازہ لگا سکتا ہے۔ انہوں نے اپنی عمر کا بیشتر حصہ لاہور میں گزارا اور ہندوستان میں رہ کر ہندوستانی کہلائے مگر حقیقت میں وہ کسی ایک ملک' کسی ایک قوم اور کسی ایک دور کی شخصیت اور ملکیت نہ تھے بلکہ وہ دور حاضر کی انسانیت کی امانت تھے۔ وہ حکیم تھے ان کی تشخیص درست تھی اور بیماری کے اسباب کو اچھی طرح سمجھتے تھے۔ انہوں نے انسان کی مصیبتوں کا جو علاج تجویز کیا اس کی بنیاد بھی انسانیت اور ضمیر کی

آواز تھی۔

اقبالؒ کا خزانہ علم و حکمت عام ہے۔ دنیا تیس سال سے ان کے موتیوں سے اپنے دامن بھرتی رہی ہے اور خدا جانے کتنی سعید روحیں ہیں جنہوں نے اقبالؒ کے پیام کو سنا اور ان کے نظریات اسلام کے اس سانچہ میں ڈھل گئے جس سے بہتر فطرت نے کوئی دوسرا سانچہ تیار نہیں کیا۔ گو شاعری کا اعلیٰ سے اعلیٰ تصور اور بہتر سے بہتر تخیل بھی مرحوم کے مخصوص علم کلام کا آئینہ دار نہیں ہو سکتا تاہم ان کی بے مثال شاعری نے جس طرح اسلامی ضمیر کی تشکیل کی ہے اور موجودہ مذہبی اور سیاسی ماحول میں اسلام کے فلسفہ کو جس بلندی پر پہنچایا ہے اس کی مثال موجودہ صدی میں ملنی محال ہے۔

اقبالؒ ہمیشہ مذہبی بنیادوں پر مسلمانوں کے حقوق کے علمبردار رہے۔ ان کا ایمان تھا کہ جب تک مسلمان دور اول کی زندگی کو اختیار نہیں کریں گے اور کتاب و سنت کو اپنے عمل و فکر کی بنیاد قرار نہیں دیں گے اس وقت تک ان کو نہ مغرب پرستی تباہی سے بچا سکتی ہے اور نہ یورپ زدگی درد کی دوا ہو سکتی ہے۔ چنانچہ وہ ساری عمر اسی فلسفہ حیات کا درس دیتے رہے اور یہ ہی سرچشمہ ان کو مسلم کی زندگی میں نظر آتا رہا۔ اسی لئے وہ مسلم بن کر جئے مسلم بن کر میدان میں آئے اور مسلم بن کر واصل بحق ہوئے ان کے نزدیک زندگی کا راز، فلسفہ حیات کا نکتہ، اور عظمت و کامرانی کا جوہر کتاب الٰہی کے صرف اس نکڑہ میں پوشیدہ تھا۔

رب ... **توفنی مسلما و الحقنی بالصالحین**

12/101

اے پروردگار! مجھے مسلم بنا کر اٹھا اور صالحین کی معیت نصیب کر!

مرحوم کا دائرہ خدمت سب سے زیادہ وسیع اور ہمہ گیر تھا۔ انہوں نے دنیا کو اجتماعی زندگی کا درس عمل دیا۔ رجائیت اور خود داری پر اپنے فلسفہ کی بنیاد رکھی، زندگی کے جذبات میں تلاطم پیدا کیا، دماغوں کو رفعت اور بلندی بخشی، قوم کی ذہنیت اور مزاج میں ایسا انقلاب پیدا کیا جو آئندہ ایک عرصہ تک ہر اصلاحی تحریک میں بنیادی عنصر کا کام دیتا رہے گا۔

اقبال کا عقیدہ تھا، اور کون اسلام کا عارف اور حکیم ہے جو اس کا قائل نہ ہو، کہ اسلام میں اتنی وسعت، اتنی ہمہ گیری اور اتنی صلاحیت موجود ہے کہ جو قوم اپنے نظام حیات کو قران حکیم کے سپرد کر دے گی قرآن زندگی کے قدم قدم پر اس کی رہنمائی کرے گا اور قوم کا مزاج عقلی اس سے تقویم پاتا رہے گا۔ یہی وجہ ہے کہ مرحوم زندگی کے کسی نظام سے مطمئن نہ تھے اور دنیا کی کوئی غلط تحریک ان کے دماغ کو متاثر نہ کر سکی۔ ان کے نزدیک زندگی کا مکمل نظام اور ضابطہ حیات صرف اسلام ہے اور بلاشبہ جو شخص بھی مرحوم کی سی گہری نظر رکھے گا وہ ہزار ٹھوکریں کھانے کے بعد اسی نتیجہ پر پہنچے گا۔

مثل مشہور ہے کہ مرنے کے بعد انسان کی قدر ہوتی ہے مگر مرحوم اس کلیہ سے مستثنیٰ ہیں۔ آپ کو اپنی زندگی میں رفعت و عظمت کا وہ بلند مقام حاصل ہوا جو صرف آپ ہی کے لئے مقدر تھا۔ آپ کا کلام نہ صرف انگریزی میں بلکہ یورپ کی دیگر زبانوں میں بھی ترجمہ کیا گیا اور اس سے مغرب کے دانش فروشوں نے، انسانیت، عزم، خود داری اور رجائیت کے سبق سیکھے۔ اگرچہ مغرب کو معلوم تھا کہ اقبال مغرب کے مادی رجحانات کے سخت مخالف ہیں اور وہ اسلام کے عملی نظریہ کے مطابق روحانیت اور مادیت کا صحیح

امتزاج چاہتے ہیں تاہم ان کے فلسفہ حیات کی تشریح نے مغربی مفکرین کے فکر و نظر کو جلا بخشی اور ان کو کلام اقبال کے صدقہ میں زندگی کا راز معلوم ہوا۔

اقبال کبھی اپنی زندگی میں کسی سے مرعوب نہیں ہوئے' پان اسلامزم کے خلاف فرانس کا پروپیگنڈہ آپ کے اسلامی جسم میں وحدۃ اسلامی کی نئی اور تازہ روح پھونک دیتا ہے۔ وطنیت اور قومیت کا وہ فرنگی تصور جس نے اسلامی ممالک کے بڑے بڑے اسلامی مفکرین تک کو اپنے جنگل میں پھنسا لیا تھا۔ وہ اس سے ذرہ برابر بھی متاثر نہ ہوئے' بلکہ ساری عمر ان بتوں کو توڑنے میں گزاری' یہاں تک کہ یہ مرد مسلم یورپ کا سفر کرتا ہے اور وہاں سے اسلامی حرارت لے کر واپس ہوتا ہے حالانکہ یورپ ہی وہ مقام ہے جہاں جا کر بڑے سے بڑے متقی کا قلب و دماغ کمزور ہو جایا کرتا ہے' مگر اقبال اس امتحان میں بھی ثابت قدم رہتا ہے اور یورپ کے طواف سے اس کا اسلامی دماغ اور پختہ ہو جاتا ہے۔

غرض علامہ اقبالؒ مرحوم و مغفور اقوام مشرق کے لئے اپنے کلام میں فکر و حیات کی وہ آگ سلگتی چھوڑ گئے ہیں جس سے قومیں زندگی اور قوت کی حرارت حاصل کرتی رہیں گی کیونکہ وہ ایک معلم و مفکر ہی نہ تھے' بلکہ انسانی ضمیر کے محرک بھی تھے اور ہمارا ایمان ہے کہ جب تک علم و حکمت باقی رہے گا' جب تک انسانیت کے احترام کا جذبہ سینوں سے ابلتا رہے گا' جب تک ملوکیت اور حکمرانی کی اصلاحی تحریکیں جاری رہیں گی اس وقت تک اس حکیم اسلام اور مصلح نظم کی یاد تازہ رہے گی!

بقول اخبار "اسٹیٹسمن" اقبال کے فقدان سے ہم فقیر ہو گئے ہیں مگر ان کے زندہ کلام نے ہم کو اس قدر غنی کر دیا ہے کہ ہم ہمیشہ دارائی اور سکندری کرتے رہیں گے۔

اے خدا مرحوم کو اپنی رحمتوں سے نواز دے اور اپنے بندوں کے اس محبوب بندہ کو اپنی محبوبیت اور مغفرت کی چادر میں ڈھانک لے اور جملہ منتسبین کے قلب حزین پر صبر جمیل کا القاء فرما۔ آمین۔

مثل ایوان سحر مرقد فروزاں ہو ترا
نور سے معمور یہ خاکی شبستاں ہو ترا
آسماں تری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے
(اقبالؒ)

مئی 1938ء کا طلوع اسلام انتظامی سہولتوں کے خیال سے اپریل کے وسط میں ہی شائع ہو چکا تھا۔ پرچے باہر جا چکے تھے اور کچھ باقی تھے کہ مرحوم کے انتقال کی خبر پہنچی۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ اس خبر سے قلوب پر کیا گزری اور کیا کیا خیالات پیدا ہوئے۔ مگر دل کو تھام کر "نالہ یتیم" کے عنوان سے مرحوم کے انتقال کی خبر علیحدہ چھپوائی گئی اور مئی کے جو پرچے دفتر میں موجود تھے ان کے ساتھ لگا دی گئی۔

اس سلسلہ میں بعض احباب کا خیال تھا کہ طلوع اسلام کا آئندہ پرچہ (یعنی جون کا موجودہ پرچہ) اقبال نمبر ہونا چاہیے مگر چونکہ طلوع اسلام آپ ہی کی یادگار ہے' اس لئے اس کا ہر پرچہ گویا اقبال نمبر ہے اور اس وقت کسی خاص نمبر کی ضرورت نہیں۔ گو حضرت علامہؒ کے متعلق ساری عمر لکھا جائے گا مگر پورے انتظام کے ساتھ ہم جو خاص نمبر نکالیں گے وہ انشاء اللہ اقبال نمبر ہی ہو گا۔

اگر مسلمانوں نے علامہؒ کی مستقل اور پائیدار یادگار قائم کرنے میں عجلت نہ کی اور ان کی شایان شان کوئی نشانی آئندہ نسلوں کے لئے نہ چھوڑی تو طلوع اسلام کے اقبال نمبر

سے کچھ نہ بنے گا اور یہ مسلمانوں کی نہیں علم و حکمت کی سب سے بڑی بدقسمتی ہو گی اگر اسلام کے اس حکیم یگانہ کی کوئی یادگار قائم نہ ہوئی۔

اقبالؒ کی یادگار کے سلسلہ میں ..... جو کمیٹی لاہور میں قائم کی گئی ہے اس میں نہ صرف مسلمان بلکہ ہندو، سکھ، عیسائی، انگریز سب ہی شامل ہیں جس سے مرحوم کی مقبولیت اور محبوبیت کا پتہ چلتا ہے۔ اس کام کا آغاز پنجاب سے ہونا چاہیے اگر صوبہ کے وزیر اعظم سر سکندر حیات خان اور پنجاب کے دیگر علم دوست اس کام کو انجام تک پہنچانے کا تہیہ کر لیں تو یقیناً" ہندوستان میں مرحوم کی ایک بے مثال یادگار قائم ہو سکتی ہے۔ ہم انشاء اللہ اس سلسلہ میں آئندہ مفصل گفتگو کریں گے۔

ذرا تصور میں لائیے اس کیفیت کو کہ آپ کسی بیاباں صحرا میں راہ گم کردہ کھڑے ہوں۔ منزل کا کہیں نشان نہیں، چاروں طرف کوسوں تک کسی ذی روح کا پتہ نہیں۔ شام کا سناٹا آنے والی شب تیرہ و تار کی بھیانک سیاہی کو دامن صحرا پر پھیلا رہا ہو۔ واہمہ کے عفریتی چھلاوے ہر طرف سے ڈرا رہے ہوں، ایسے میں کہیں دور سے کسی انسان کی ایک مبہم سی آواز آپ کے کانوں میں آپہنچے، جو کیفیت آپ کے قلب کی اس وقت ہو گی کچھ اسی قسم کی اضطرابی کیفیت کے آئینہ دار وہ خطوط اور پیغامات ہیں جو ہمیں قارئین کرام کی طرف سے طلوع اسلام کے پہلے ہی پرچے کے مطالعہ کے بعد موصول ہو رہے ہیں۔ کچھ ایسا نظر آتا ہے کہ ملت اسلامیہ کا یہ راہ گم کردہ۔ مایوس قافلہ ہر اس آواز کے لئے ہمہ تن گوش ہونے کے لئے بیتاب ہے جس میں کچھ بھی امید کی جھلک نظر آئے۔ یہ علامات بڑی جرات آفریں ہیں۔ اس سے پیشتر تو یہ حالت تھی کہ متاع کارواں لٹ جانے کے بعد، کارواں کے دل سے احساس زیاں بھی جاتا رہا تھا لیکن اب اتنا تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ احساس زیاں پھر سے پیدا ہو رہا ہے اور یہی احساس ہے جو ایک قوم کے اجزائے پریشاں کو ایک مرکز پر لانے کا اولیں ذریعہ ہوتا ہے۔ اس اضطرابی کیفیت کا اس سے اندازہ فرمائیے کہ کسی نے پوچھا ہے کہ صاحب! سب باتوں کو چھوڑیئے اور یہ بتائیے کہ ہمارے لئے راہ عمل کون سی ہے! کسی نے دریافت کیا ہے کہ یہ کہیے کہ ہندوستان جیسے ملک میں جہاں مسلمانوں کی اقلیت ایک اتنی بڑی غیر مسلم اکثریت میں گھری ہوئی ہے، مسلمانوں کا طرز عمل دوسروں کے ساتھ کس قسم کا ہونا چاہیے۔ کسی نے سوال کیا ہے کہ اگر غیر مسلموں کے ساتھ ہمارا تولی جائز نہیں تو پھر باہمی تعاون و اتحاد کی کون سی شکل ہے۔ کسی کا استفسار ہے کہ جب دین فطرت یوں عجمی افسانوں کی وجہ سے ایک چیستاں بن چکا ہے، تو حقیقی اسلام کا اب کیسے پتہ چلے گا غرضیکہ اسی قسم کے گوناگوں سوالات ہیں جن سے یہ پتہ چلتا ہے کہ قوم کے دل میں صحیح راستہ کی تلاش کے لئے کتنی بڑی تڑپ اور خلش موجود ہے۔ ہمیں ان مستفسرین حضرات کی بیتابی تمنا کا پورا پورا احساس ہے لیکن ہم گزارش کریں گے کہ وہ اپنے وفور شوق کو تھوڑی سی زحمت انتظار اور دیں۔ طلوع اسلام کا نصب العین ان تمام سوالات کا حل کتاب و سنت کی روشنی میں پیش کرنا ہے۔ آپ اگر اسے شرف نظر بخشتے رہے تو تھوڑے ہی عرصہ کے بعد آپ محسوس کریں گے کہ آپ کے وہ تمام شکوک و شبہات جو آپ کے دل کی گہرائیوں سے ابھرتے ہیں خود بخود رفع ہوتے جائیں گے اور آپ کا یہ تمام اضطراب تردد جو آپ کے سینے میں آتش خاموش کی طرح سلگ رہا ہے مبدل بہ سکون و طمانیت ہو جائے گا۔ بعونہ تعالیٰ سب کچھ ہو گا لیکن آہستہ آہستہ، کہ کانٹوں میں الجھے ہوئے دامن کو جھٹک کر چھڑانا دانش مندی نہیں ہوتی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علامہ رحمت اللہ طارق

زکوٰۃ کا رائج نظام فرسودہ اور نظر ثانی کا محتاج ہے

زکوٰۃ اسلامی معیشت کی جامع اصطلاح ہے اس کی تعبیر و تشریح میں فکری گھوڑے دوڑانا مناسب نہ ہو گا تاہم مختلف مناسبتوں کے تناظر میں اس کی لغوی وضاحتوں سے صرف نظر بھی نہیں کیا جا سکتا کیونکہ زکوٰۃ کے بنیادی معنی نشو و نما دینے کے بھی ہیں۔ یہ نشو و نما جسم دار چیزوں کے لئے ہو' مثلاً" قطرہ منی اپنے فطری اصولوں کے مطابق نشو و نما پا کر شکم مادر میں بچہ بن جاتا ہے۔ پھر اس تنگنائے سے نکل کر عالم محسوسات میں قدم رکھتا ہے۔ پھر اسی طرح نشو و نما کے تمام مراحل طے کر کے حد کمال میں در آتا ہے۔ اسی طرح پودا بھی جسم دار وجود رکھتا ہے کہ وہاں بھی دانہ مٹی میں مل کر نشو و نما پاتا پھر اس کے پردوں کو چیر کر دنیائے رنگ و بو میں شامل ہونے کے لئے سر ابھارتا ہے--- یہ زکوٰۃ کی محسوساتی نشو و نما ہے---- دوسری نشو و نما ادراکی ہے یعنی محسوس وجود نہیں رکھتی مگر تعلق اس کا بھی تربیت سے ہے یعنی اخلاقی نشو و نما جس میں اعلیٰ قدروں کو اپنانے کی "خو" بنانی پڑتی ہے۔

زکوٰۃ کا لفظ جب معیشت کی مخصوص اصطلاح کے طور پر استعمال ہو گا تو اس کے لئے اسلام کے مالی نظام کے تناظر میں تعبیری جامہ تراشنا پڑے گا جسے سنت کی قینچی چلا کر تراشا جائے گا جب کہ سنت کو قرآن کا ردیف بنایا ہی نہیں جا سکتا۔ بلاشبہ سنت کا اللہ کے افعال اور اقوال پر اطلاق ہوا ہے یعنی ہم **سنة الله** تو کہہ سکتے ہیں لیکن سنت رسولؐ نہیں کہہ سکتے۔ رسولؐ کے اعمال کا تذکرہ "اسوہ" کے پیکر میں ہو گا اور یہ اسوہ - قرآن کے اشاروں اور رسولؐ کے ان اعمال کو جانچنے کا معیار ہے جو تواتر عملی (Amali) کے ذریعہ معلوم ہو سکتے ہوں۔ اسطرح تواتر عملی ہی کو حقیقت معلوم کرنے کا موثر آلہ تسلیم کیا جا سکتا ہے۔ جب کہ تواتر علمی (Ilmi) کو بنیاد ہی تسلیم نہیں کیا جا سکتا کیونکہ تواتر علمی (Ilmi) کا نہ وجود ہے نہ ثبوت --- اس وضاحت کے بعد آیئے زکوٰۃ کا اصطلاحی زاویہ سے تجزیہ کریں جس سے واضح ہو گا کہ زکواۃ کا رائج نظام ہی دراصل فرسودہ اور نظر ثانی کا محتاج ہے۔ کیونکہ اس کے لئے فقہاء نے اپنی طرف سے نصاب کی جو حدیں مقرر کی ہیں وہ نہایت درجہ ان سائنٹیفک اور غیر معقول ہیں یعنی 7-1/2 تولے سونا اور (52-1/2) تولے چاندی کسی کے پاس ہو تو اس پر 2-1/2 فی صد کے حساب سے زکوٰۃ واجب ہے۔ جب کہ وحی قرآن ان باتوں کا سرے سے اشارہ ہی نہیں دیتی وہ قانون انفاق ہو خواہ قانون زکوٰۃ دونوں کو ضابطہ "**العفو**" سے مربوط کرتی اور اسی کی روشنی میں کمی و بیشی کا اشارہ دیتی ہے۔

زکوٰۃ۔ اسلام کا مالیاتی نظام ہے

ہمارے فقہا نے انگریزی دور میں "تولوں" کی شکل میں "اوزان" کا تعین کر کے کسی حد تک اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہونے کی کوشش کی ہے ورنہ تو قدیم زمانے میں دراہم' دنانیر' وانق' مثقال اور "اُقیہ" کے ناموں سے رائج "بٹوں" سے وزن کا کام لیا جاتا تھا جب کہ یہ اوزان ملکوں اور مقامی عادات کے مطابق ہی ڈھالے جاتے اور بین

المی تقاضوں سے بے نیاز ہو کر استعمال میں لائے جاتے تھے۔ لہٰذا ان میں یکسانیت کا شائبہ بھی نہ ہوتا تھا یہ کھلے اختلاف کا سمبل ہوتے تھے۔ خود فطرانے کے لئے جو پیمانے متعین کئے گئے ان کا اختلاف پاکستان میں بھی واضح ہے۔ یہاں حنفی عراقی صاع اور تمام سلفی مجتہد شامی صاع کے مطابق سوا دو کیلو اور تین کیلو کے حساب سے غلہ دیتے یا مارکیٹ کے مطابق نقد قیمت ادا کرتے ہیں۔ حالانکہ فطرانہ اگر کوئی شرعی مسئلہ ہوتا تو اس کے لئے مدینہ منورہ کے رائج پیمانے "مد" (Mudd) کو معیار بنانا چاہیے تھا۔ چنانچہ اس اختلاف کا نتیجہ یہ ہے کہ حنفی کم اور دیگر زیادہ فطرانہ ادا کر کے یکجہتی اور ہم آہنگی کا احساس تک نہیں کر پاتے۔ بلاشبہ فطرانہ ایک نیکی ہے اور نیکیوں کا اجرا ایک اہم سماجی ضرورت ہے لیکن زکوٰۃ جو کہ اسلام کے مالیاتی نظام کا اہم اور بنیادی ذریعہ ہے اسے عملی اور سائنٹیفک بنیادوں پر مرتب کرنا ضروری تھا۔ لیکن ہوا یہ کہ مدرسہ اور خانقاہ نے مل کر سرمایہ داروں کو مالی منفعت پہنچانے کے لئے ادھر توجہ نہیں فرمائی بلکہ انہیں زکوٰۃ ادا نہ کرنے کے گر تو سکھائے مگر ضابطہ العفو۔ کی ضو میں زکوٰۃ ادا کرنے کے بنیادی فریضہ سے غافل رکھا۔ حالانکہ زکوٰۃ ایک ایسی معیشی اور اسلامی قدر ہے جس کا انکار الٰہی مصلحتوں کے انکار کے برابر ہے جب کہ یہ بھی حقیقت ہے کہ احکام بذات خود مقصود نہیں ہوتے منزل تک پہنچانے کا درمیانی ذریعہ ہوتے ہیں۔ کیونکہ ایسے احکام تربیتی دور کے لئے دیئے جاتے ہیں اور اوپر کی سطح پر پہنچ جانے کے بعد ان کا دائرہ اثر خود بہ خود ہی "محدود" ہو جاتا ہے یعنی ایک نچلی سطح کا نادار آدمی اگر زکوٰۃ کی مد سے اپنے پاؤں پر کھڑے ہو کر خوشحال بن جاتا ہے تو یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اسے زکوٰۃ لینے والوں کی صف ہی میں رکھنا چاہیے ورنہ تو زکوٰۃ کا حکم منسوخ اور معطل ہو جائے گا۔

زکوٰۃ - عبوری حکم ہے

اسلام ایک فلاحی مملکت کا قیام لازمی ٹھہراتا ہے جو "لینے" اور "دینے" والے کی مصنوعی تفریق اور "میرا" اور "تیرا" کے غیر فطری امتیاز سے پاک و مبرّا ہو۔ خوشحالی افراد مملکت پر یکساں سایہ فگن ہو۔ کوئی کسی کا محتاج و دست و نگر نہ ہو لیکن خوشحالی اور مساوات کی اس بلند سطح پر پہنچنے سے پہلے اسلام نے عبوری دور کے کچھ احکام بھی دیئے ہیں جن کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا اسے غربت کو باقی رکھنے کے بہانے غیر محدود نہیں بنایا جا سکتا۔ خاص کر زکوٰۃ کی تقسیم خزانے کی معرفت ہو گی جس سے افراد کی خستہ حالی کا پتہ نہ چل سکے گا۔ کسی کی عزت نفس اور وقار مجروح نہ ہونے پائیں گے۔ اس طرح پردے ہی پردے ہیں افراد ملت کو عبوری امداد بہم پہنچا کر ان ذرائع اور وسائل کی تلاش اور حصول میں مدد فراہم کی جا سکتی ہے لہٰذا جو لوگ زکوٰۃ کو رسمی شکل دے کر کام چلا لیتے ہیں وہ در پردہ مستحقین کو پستی اور غربت کے گڑھوں میں دھکیل کر ان کو بنیادی اور انسانی حق سے محروم کر دینے کے مجرم ہیں۔

حکم زکوٰۃ کے مخاطب کون ہیں؟

زکوٰۃ کا حکم اگرچہ مستقل ہے مگر اس کا مخاطب ہر شخص نہیں ہے۔ صرف صاحب حیثیت ہیں۔ مملکت شرح زکوٰۃ جتنا مقرر کرے گی خزانے میں جمع کرانے کے مکلّف ہوں گے اور خزانے والے ایسے دیانتدار ہوں کہ اس رقم کو صاحب اقتدار کے الیکشن جیتنے کے لئے خرچ کرنے کے مجاز نہ ہوں گے، کہ یہ بھی ایک گونہ زکوٰۃ کے مستحقین کو محروم رکھنے کے مترادف ہو گا۔ ایسے اہل کاروں اور حکومت کو مانعین زکوٰۃ کے زمرے میں شمار کر کے ان کے خلاف جہاد کرنا ہو گا۔ یہ زکوٰۃ حالات کی ضوء میں کم و بیش ہو سکتی ہے۔ مثلاً" سیدنا صدیق اکبرؓ (634م) کے زمانے میں اس کی وصولی کے لئے سخت اقدامات کرنے پڑے کہ ان دنوں خزانہ ہی مسلمانوں

کی بنیادی ضروریات پوری کرتا تھا جو زکوٰۃ رک جانے کی وجہ سے ایسی صلاحیت سے قاصر ہو چلا تھا۔ اس طرح ان دنوں زکوٰۃ کا شعبہ خزانے کو بھرپور کمک پہنچانے کا ایک اہم ذریعہ تھا پھر ایک وقت ایسا بھی آیا سیدنا عمرؓ (644م) و سیدنا عثمانؓ (655م) کے عہد میں افراد مملکت پر خوشحالی اور رفاہیت اتنی عام اور اس قدر فراواں ہونے لگی کہ کچھ وقت کے لئے وصولیات کا عملہ ہی رخصت کرنا پڑا اور مسلمانوں کا یہ زرّیں دور واضح کرتا ہے کہ زکوٰۃ جیسا کثیر النافع منصوبہ کسی بھی طرح مقصود بالذات نہیں تھا۔ حصول مقصد کا ایک ذریعہ تھا یعنی تربیتی اور عبوری دور میں جاں بلب مریض کو آکسیجن پہنچا کر زندگی کی رعنائیوں سے ہمکنار کرنا تھا جب اسے صحت مل گئی، محتاج دوا نہ رہا۔

بلا شبہ زکوٰۃ اگر اجتماعی مفادات کے حصول کے لئے استعمال کی جائے تو بڑے کام دے سکتی ہے۔ غربت، افلاس اور جہالت کے بے قابو سیلاب کے آگے بند باندھا جا سکتا ہے۔ بڑے بڑے منصوبے تکمیل سے ہمکنار کئے جا سکتے ہیں لیکن افسوس کہ امتِ اسلام نے زکوٰۃ کے روشن تعمیری پہلوؤں کو نہیں دیکھا ان کی نظر اس پر گئی کہ یہ صرف خیراتی منصوبہ ہے۔ ناقص آٹے کی بوریوں، زہر آلود گھی کے ڈبوں اور بیوہ عورتوں کو =/300 روپے ماہانہ وظائف کی ادائیگیوں سے کام چل سکتا ہے۔ حالانکہ اس طرح نہ صرف ناداروں کی عزت نفس سے کھیلنا اور زکوٰۃ کے کثیر المقاصد ہونے کا مذاق اڑانا ہے۔ ایسی زکوٰۃ جو ممکنہ مستقبل کا سہارا نہ بن سکے اسلام کا مقصود بالذات نہیں ہو سکتی۔ ہاں یہ درست ہے کہ ایسی زکوٰۃ نہ تو معاشی نامرادی کا توڑ ہے اور نہ حتمی علاج ہے اور نہ ہی مقصود وحی قرآن۔ مقصود وحی یہ ہے کہ زکوٰۃ جیسے عبوری مگر مستقل وسیلہ کے سہارے مستقبل سازی کے مزید وسائل تلاش کئے جائیں۔ ہند کے بڑے صاحب علم ابوالکلام آزاد (1958م) نے اس نکتہ کا بخوبی احساس کیا اور لکھا کہ:

"شریعت کے ظاہری رسوم اور اعمال بھی اس لئے ہیں کہ یہ مقصود حاصل ہو پس جہاں تک دین کا تعلق ہے ساری طلب مقاصد کی ہونی چاہیے نہ کہ وسائل کی۔"

(ترجمان القرآن طبع دوم جلد 1/266)

مالیات کا دوسرا اہم ذریعہ

اسلام مدنی دور میں زکوٰۃ کے پہلو بہ پہلو "انفاق" کا حکم بھی دہراتا چلا گیا ہے یہ زکوٰۃ سے جداگانہ اور غیر تعیناتی فنڈ ہے لیکن اسے چونکہ وحی قرآن نے خود ہی ضابطہ "العفو" سے مربوط کیا تھا لہٰذا دولت مندوں کو تحفظ فراہم کرنے والی ایجنسیوں نے اسے غیر موثر بنانے کے لئے باور کرانا شروع کر دیا کہ زکوٰۃ ہی اصل حکم ہے اسے ادا کرنے کے بعد انفاق کی ضرورت ہی نہیں ہے اور یہ انحراف اس لئے روا رکھا گیا کہ انفاق میں ضرورت سے زائد مال۔ افراد ملت کی ملک بن جاتا تھا جو نہ مُلّاں کو منظور تھا اور نہ ان کے آقایانِ ولی نعمت کو۔ اس کے برعکس زکوٰۃ کے بارے میں وہ مطمئن تھے کہ ان کے خیال میں ایک تو وہ خیراتی ادارہ ہے دوسرا یہ کہ وحی قرآن نے اسے فرض حیثیت دے کر یہ نہیں فرمایا کہ کتنی مقدار وصول کی جائے؟ بلکہ اسے بہانہ بنا کر حسب حال بنانے کے لئے اپنے "جی" سے اڑھائی فیصد کی شرح مقرر کر ڈالی اور مسلمانوں کو باور کرانا شروع کر دیا کہ اللہ کا منشا۔ صرف زکوٰۃ کا حکم دینا ہی تھا، انفاق اور دیگر وسائل اس کی مشیت میں شامل ہی نہیں تھے۔ حالانکہ یہ لوگ اگر حقائق کو ملحوظ رکھتے تو ان پر واضح ہو جاتا کہ حکم کے بعد تفصیل سے تعرض نہ کرنے کا مقصد یہ تھا کہ ہر ملک اور ہر دور کی امت اپنی ضروریات کا اندازہ کر کے خود ہی کسی خاص مدت مثلاً پانچ سال کے لئے شرح کا تعین کرنے کی مجاز ہے۔ لیکن ناداں ملاں۔ حکم کی اس "لم" کو نہ سمجھ سکا

اور چند قطروں پر قناعت کر گیا کہ بس ڈھائی فیصد کافی ہے اب ڈھائی فی صد ہی اگر منشائے وحی تھا تو وحی کے وہ صریح الفاظ کہاں ہیں جو ان کے زعم باطل کا سہارا بن سکیں۔ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ وضاحت کس طرح ہے جو ان کے فیصد شرع کا اثبات کر دکھلاتی ہو۔ اگر ان میں سے کوئی بات بھی نہیں تو ڈھائی فیصد کو حکم شرع کہنے کی جسارت کیوں کی گئی؟

غنیمت اور "فے" کے تناظر میں

حیرت کی بات ہے کہ وحی قرآن غنیمت اور "فے" جیسے عبوری احکام کے لئے تو تقسیم کار کی تفصیل فراہم کرتی ہے' جو وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اور دنیا میں عسکری نظام کی تکنیک بدل جانے سے غیر ضروری ہو کر رہ گئے ہیں یعنی اب نہ تو مومنوں میں مال غنیمت تقسیم کرنے کا سوال اٹھتا ہے اور نہ ہی دشمن کے پکڑے ہوئے مرد و عورتوں کو بھیڑ بکریوں کی طرح تقسیم اور فروخت کیا جاتا ہے اور نہ ہی بیت المال کا الگ حصہ نکالنے کی ضرورت باقی رہی ہے۔ لیکن زکوٰۃ جو کہ کسی کی مناسبت سے دائمی اور کسی کی نسبت عبوری ہے' جسے یہ لوگ دیگر مدات سے الگ کر کے غربت کو دور کرنے کے لئے نسخہ شفا تجویز کئے ہوئے ہیں اس کی فی صد کا اوپر سے نہ وضاحت پیش فرماتے ہیں نہ اشارہ اور ایمائیت؟ آخر کیوں؟ کیا دین غیر مکمل رہ گیا تھا؟ وحی الٰہی سے سہو ہو گیا تھا؟ حقیقت یہ ہے کہ ارباب شرع نے سرمایہ داروں کو تحفظ فراہم کرنے کے لئے دانستہ اسلام کی "زر شکن" پالیسی پر پردہ ڈالنے کی جسارت کی اور بات کو الجھاتے چلے گئے۔ اس طرح ہر چیز اللہ کی ملک پانے کے اشاروں (Signals) کو سمجھنے کی جان بوجھ کر ضرورت محسوس نہیں کی اور سب تجاویز کو فضول یا منسوخ ٹھہرا کر زکوٰۃ کی خود تجویز فی صد کو گوہر مقصود ٹھہرا کر ہمیشہ کے لئے اللہ و رسولؐ کی منشاء کو محدود کر ڈالا۔

کتنی مالیت پر زکوٰۃ ہے؟

قرآن نے مسلمانوں کی ہر چیز کو جب اللہ کی ملکیت قرار دیا ہے اور انفاق وغیرہ کے قوانین نے بھی ضرورت سے زائد ہر چیز کو ملت ہی کے مقدر کی چیز ٹھہرایا ہے' تو کیا وجہ بنی کہ زکوٰۃ کے لئے پہلے نصاب اور اس کے بعد فی صد کی غیر متوازن شرائط مقرر کر کے اس کی افادی حیثیت کو ختم کر دیا گیا کیونکہ عہد نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں اگر اس کے نصاب اور پھر فی صد کا فیصلہ نہ ہو سکا تھا یا خلفائے ثلاثہ۔ فی صد کے تناسب کو غیر ضروری سمجھتے تھے تو بعد کے مسلمان اہل فکر کا فرض بنتا تھا کہ اس مسئلہ کو سنجیدگی سے لیتے اور ہر دور کے لئے قابل قبول اور حسب حال نصاب اور فی صد کی صورت نکال لیتے۔

یہ لوگ کہتے چلے آئے ہیں کہ ساڑھے سات تولے سونا اور ساڑھے باون تولے چاندی کسی کو میسر ہو تو اس پر زکوٰۃ واجب ہے لیکن ہند کے ابو یوسف۔ مولانا عبدالحی لکھنوی (1887م) کی تحقیق کے مطابق 36 تولے اور چار رتی چاندی جس کے پاس ہو وہی صاحب نصاب ہے اور اسی پر ہی زکوٰۃ واجب ہے (عمدۃ الرعایہ طبع انوار محمدی لکھنؤ 1303 ہجری جلد 2/34) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نصاب کی بات طے شدہ نہیں ہے۔ متقدمین اہل تحقیق بھی کسی متفقہ فیصلہ پر نہیں پہنچ پائے۔

ڈھائی فیصد کا ماخذ

حارث اعور ( ) نے حضرت علیؓ کے نام پر مشہور کر رکھا تھا کہ "چاندی کے ہر دو سو درہم پر جب سال گزر جائے تو پانچ درہم زکوٰۃ واجب ہے۔"

(ابو داؤد طبع دوم مصر 1953 جلد 2/135)

یعنی فی صد درہم پر ڈھائی درہم زکوۃ ہے۔ یہ روایت کیسی ہے؟ وضاحت آئندہ ملے گی لیکن بات پھر بھی تشنہ رہ گئی، کہ خود درہم کون سا معیاری اور سکہ بند تھا کیونکہ یہاں راوی نے اہل تحقیق کے وارد کردہ ٹیکنیکل اعتراضات کا پیشگی اندازہ کر کے کوئی جواب تیار نہیں کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بعد میں آنے والوں نے حارث کی تجویز کا اعتراف ہی نہیں کیا۔ خود روایت کے مصنف امام ابو داؤد (879م) نے برملا کہدیا کہ:

"یہ روایت حضرت علیؓ پر موقوف ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہی نہیں ہے۔"

(ابو داؤد طبع مصر جلد 2/135/3 تا 4)

اور موقوف راویت کے بارے میں اہل فن اور محدثین کا جو مسلک ہے وہ کسی سے ڈھکا چھپا نہیں ہے کہ حجت نہیں ہے۔

(مقدمہ نووی شرح مسلم صفحہ 18 سطر 24 تا 26)

بنابریں یہ روایت کسی شرعی ماخذ کی حیثیت نہیں رکھتی یعنی کہ اس باب میں جو اکلوتی روایت تھی وہ بھی نہ صرف نا مقبول اور موقوف ہے، حارث پر تنقیدات کی روشنی میں ونفی بھی ہے۔ یہ علاوہ اس کے کہ درہم کون سا معیاری ہے کیونکہ اسی وجہ کو سامنے رکھ کر مالیات کے ماہرین درہم کے معیار کے فقدان کو بھی زیر بحث لائے ہیں۔ امام عبدالملک بن حبیب اندلسی (857م) نے واضح الفاظ میں کہا ہے کہ " ان کل اھل بلد یتعاملون بدراھمھم یہ جو کہا جاتا ہے کہ چاندی کے دو سو درہم، زکوۃ کے نصاب کو پورا کرتے ہیں تو یہ خلاف واقع ہے کیونکہ ہر ملک اپنے ہاں رائج درہموں میں لین دین کرتا اور ان ہی سے وزن کا کام لیتا ہے چنانچہ جو درہم بغداد میں چلتے ہیں سپین میں ان سے مختلف وزن کے رائج ہیں۔

(فتح الباری طبع سلفیہ جلد 3/35)

ابن حبیب کی اس تحلیل کو حدیث کے مشہور امام عبدالبر (1071م) نے بھی تسلیم کیا اور مختلف ممالک کے دراہم کا سپینی درہموں کے وزن سے مختلف ہونے کا اعتراف کیا ہے

(فتح الباری 3/35)

اسی طرح بشر بن غیاث مریسی (823م) جس پر فتح الباری کے مصنف حافظ ابن حجر (1449م) ضرورت سے زیادہ خفا ہیں کہ انہوں نے علماء کے اجماع کو چیلنج کیا ہے وہ بھی دو سو درہم کے نصاب کو ویٹو کرتے اور کہتے تھے کہ مختلف ممالک کے دراہم مختلف وزن کے ہوتے ہیں لہذا چاندی کے وزن کی بہ نسبت دراہم کے عدد سے کام لیا جائے۔

(فتح الباری 3/35)

ابن غیاث کا مفہوم یہ ہے کہ درہم کا وزن کہیں تو کم ہے کہیں زیادہ لہذا وزن کی بات نہ ہونی چاہئے۔ عدد کو ملحوظ رکھا جائے۔ شافعی مسلک کے بڑے فقیہ اسماعیل بن ابراہیم (1448م) نے بھی اختلاف کے زاویے کو اجاگر کرتے ہوئے واضح کیا ہے ایک دانہ بھی چاندی کی مقدار سے اگر کم ہوا تو ظاہر ہے کہ نصاب کی فرضی شرط پوری نہ ہوسکے گی۔

(فتح الباری 3/35)

اجماع امت کی دہائی

یہ تمام اختلافات خود ابن حجر ہی نے پیش کئے ہیں اور یہ جانتے ہوئے کہ یہ اختلافات جائز ہیں اور اختلافی امور پر اجماع کا اطلاق اصولی طور پر غلط ہے۔ اس کے باوصف انہوں نے مریسی کو اجماع شکنی کے الزام میں آڑے ہاتھوں لیا اور نشانہ تضحیک بنایا ہے حالانکہ ہمارے ابن حجر کی ذمہ داری تھی کہ اجماع امت کا بھرم رکھنے کے لئے کوئی ایسی "توجیہ" سامنے لے آتے جو معقولیت کی آئینہ دار بھی ہوتی اور مستقبل کے مسلمانوں کے لئے نظیر بھی بن سکتی لیکن وہ ایسا کرنے سے قاصر تھے کہ اس نظریے کے بانی حارث اعور خود

بھی فکر رسا سے محروم تھے۔

جھوٹ پر یقین کی عمارت کھڑی نہیں ہو سکتی

فرض کرو اپنے دور کی ضروریات کا اندازہ کر کے اگر حارث کے بقول حضرت علیؓ ہی نے کچھ فی صد کا تعین کیا تھا تو بھی اس کے لئے کم از کم عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور عہد خلفائے ثلاثہ کی اگر کوئی نظیر پیش کی جاتی یا کی جا سکتی تو بھی ذریعہ اطلاع مضبوط اور ثقہ ہونا چاہیے تھا لیکن ایسا نہیں ہوا اور جس راوی کے سہارے اتنا اہم مسئلہ واضح کیا جاتا ہے وہ اچھی شہرت کا مالک نہیں تھا۔ حارث الاعور نامی راوی دروغ گو اور نہایت ناپسندیدہ شخص تھا یہ دم تو حضرت علیؓ ہی کا بھرتا تھا مگر حقیقت میں آپ کی بدنامی کا موجب بنا ہوا تھا فن رجال کے بڑے نقاد عامر شعبی' محمد بن سیرین اور حارث کے اپنے ہی شاگرد ابو اسحاق کہتے تھے کہ اصحاب علیؓ میں حارث غالی قسم کا جھوٹا اور دروغ گو تھا۔ مغیرہ نے کہا کہ اس امت میں سب سے زیادہ جھوٹ حارث نے بولے اور حارث ہی نے اس مقصد کے لئے حضرت علیؓ کو اکسپلائٹ کرنے کے لئے چن لیا تھا۔ وہ ہر جھوٹ حضرت علیؓ کے حوالے سے بولتے اور مشتہر کرتے۔ قدماء نے حارث کے تخریبی رویہ کو دیکھتے ہوئے تمام ان روایات کی نفی کی ہے جو حضرت علیؓ کے حوالہ سے اس نے روایت کیں۔ جن میں زیر بحث روایت بھی ہے۔ منصور' ابن المدینی اور جریر بن عبدالحمید اسے قطعی جھوٹا اور دھوکا باز کہتے تھے۔ ابن معین' نسائی اور دار قطنی اسے درجہ ثقاہت سے فروتر ٹھہراتے تھے' ابن عدی' علقمہ اور بُندار۔۔۔ رجال کی خاص اصطلاح میں اسے غیر محفوظ اور ناقابل اعتبار کہتے تھے اس کے دل آزار رویہ سے سنی مکتبہ فکر ہمیشہ نالاں اور شاکی رہتا تھا۔ اس نے ایک بار مُرۃ (Murrat) الہمدانی کے سامنے یاران پیغمبرؐ اور ازواج مطہرات کے بارے میں ناشائستہ زبان استعمال کی تو مُرہ نے کہا تم بیٹھو میں آرہا ہوں چنانچہ وہ اندر گیا اور تلوار سونت کر نکلا لیکن اتنے میں حارث کی چھٹی حس بیدار ہو چکی تھی۔ وہاں سے بھاگ نکلا تاہم صرف یہ واقعہ ہی زیر بحث روایت کو جھٹلانے کی دلیل نہیں بن سکتا۔ اسے جھوٹ تسلیم کرنے کے لئے محدثین کی وہ ریسرچ اور تحقیق ہے جو حارث کو حضرت علیؓ کے روای ہونے کو جھٹلاتی ہے۔

حارث کے ضمن میں اہل فن کے یہ ریمارکس کہ۔۔

اس نے حضرت علیؓ سے جتنی بھی روایات کیں جعلی اور اسکی خود تراشیدہ ہیں۔ روایت ہذا کی پوزیشن متعین کرنے کے لئے کافی ہیں خاص کر اگر ڈھائی فیصد دین کا مسئلہ ہوتا تو ہر ایک کو معلوم ہوتا۔ اس صورت میں خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور ایک کے سوا۔ ایک لاکھ سے متجاوز۔ رفتہ اور زندہ صحابہ رسولؐ سے اسکا ثبوت فراہم کیا جاتا لیکن ایسا نہیں ہوا۔ بلکہ جن لوگوں کا عقیدہ ہے کہ دین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی مکمل ہوتا رہا انہوں نے اتنی جرح کے باوصف حارث کی روایت کو قبول بھی کیا ہے اور یہ نہ سوچا کہ وہ محدثین کی اس جرح کا جواب فراہم نہیں کر سکتے کہ حضرت علیؓ کے حوالے سے حارث کی تمام روایات جھوٹ کا پلندہ ہیں اور ہمارے موقف کی مضبوطی کے لئے حارث کے خلاف اتنا سرٹیفکیٹ کافی ہے کہ وہ اول درجہ کا جھوٹا تھا۔

کچھ لوگوں نے ڈھائی فی صد کے جھوٹ کو اعادے اور تکرار کی تکنیک سے سچ ثابت کرنے کی کوشش بھی کی ہے یعنی یہ جو افواہ کی نفسیات ہے کہ جھوٹ کو اتنا دہراؤ کہ یقین میں بدل جائے اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے حارث کے پیر بھائی عاصم بن ضمرہ نامی راوی کو سامنے لانے کی کوشش بھی کی ہے حالانکہ عاصم کا حال بھی زیادہ پتلا اور ناقابل افاقہ ہے وہ نہ خود صحت ور ہے اور نہ ہی اس روایت کو صحت دے سکتا ہے یہ تو اتنا کمزور ہے کہ شدید تنقیدات کا بوجھ سہار ہی

نہیں سکتا یہ اتنا درماندہ اور جھوٹ کی بیساکھیوں پر چلنے کا عادی ہے کہ خود اپنے بھی اسے آخری سٹیج کا مریض سمجھتے تھے خاص کر اس کی بھی ان ہی روایات کو نشانہ تنقید بنایا گیا ہے جو حضرت علیؓ کے ناطے سے مروی ہیں یعنی کہ نصاب اور سال گزرنے کی زیر بحث روایت کے لئے دوسرے جس راوی کو سامنے لایا گیا ہے وہ بھی اپنی روایت میں کسی طرح کی توانائی اور روشنی پیدا نہیں کر سکا۔ بلکہ فن رجال کے ماہرین نے حضرت علیؓ کے حوالہ سے روایت سازی کی جو فرد جرم حارث پر لگائی تھی وہی فرد عاصم پر بھی عائد کر دی ہے۔ اب جہاں یہ روایت حارث کی وجہ سے وضعی مشہور ہوئی وہاں عاصم کی وجہ سے بھی خود ایجاد ہی شمار ہو گی اور میرے نزدیک عاصم کے غیر معتبر ہونے پر یہ شہادت کافی ہے کہ اس کی ایک روایت کو اس بنا پر مسترد کر دیا گیا کہ وہ روایت اس کے ذریعہ ہی نمودار ہوئی وہ کہتے تھے کہ **اما کان الصحابة وامہات المومنین یحکمون بھنا انھم معہ فی جنھم**

کیا ڈھائی فی صد والی روایت صحابہ اور ازواج مطہرات کو نہ مل سکتی تھی تاکہ وہ بھی اس پر عمل پیرا ہو کر تکمیل دین کے گواہ بن سکتے۔ خاص کر وہ سب دین کی جدوجہد میں ہمیشہ آپؐ کا ہاتھ بٹاتے بھی رہے۔ اسی عاصم کے بارے میں نقد رجال کے بڑے امام۔ ابن عدیؒ وغیرہ اور ابو اسحاق کہتے تھے کہ اس کی تمام وہ روایات جو حضرت علیؓ کے حوالہ سے مروی ہیں، جھوٹ اور خود اختراعی ہیں۔ محدثین اس کی صفائی بیان کرنے سے قاصر ہیں، تاہم یہ حارث کی بہ نسبت محتاط دروغ گو تھے لیکن ہم کیا کریں کہ ماضی اور حال کے جھوٹوں نے مل کر حضرت علیؓ کے ہی کے دامن میں کیوں پناہ لی۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ دین کا متبادل آپ ہی کے توسط سے سامنے لانا مقصود تھا۔

حدیث اور اثر میں فرق

یہاں اس مغالطہ کا ازالہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ممکن ہے لوگوں نے حضرت علیؓ کے "اثر" کو حدیث نبویؐ سمجھا ہو حالانکہ حدیث اور اثر میں فرق نمایاں ہے کہ حدیث کی نسبت رسولؐ اور اثر کی اضافت صحابی یا تابعی کی طرف ہوتی ہے اور یہ مسلّمہ اصول ہے کہ دین کی تکمیل نہ حدیث سے ہوئی ہے نہ کسی اثر سے۔ دین میں اگر کوئی تشنگی رہ جاتی تو زبان وحی کو تکمیل کا اعلان نہ کرنا پڑتا۔ پھر یہ مستزاد کہ اس طرح کا مواد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، خلفائے ثلاثہ بلکہ تمام صحابہ سے کسی بھی باوثوق ذریعہ سے نقل نہیں ہوا اور نقل نہ ہونا واضح کرتا ہے کہ کم از کم حرمین شریفین والے تکمیل دین کے اس اضافے سے بے خبر تھے اور ان کا نہ جاننا ثابت کرتا ہے کہ اس روایت کی اصل ہے نہ اساس۔ جنوبی عراق میں کوفے کی ٹکسال میں ڈھلی اور لوگوں میں پھیلی۔ مشتبہ اور مشکوک تھی مشتبہ اور مشکوک رہے گی یہ مستقبل کے کسی بھی چیلنج کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ وضاحت عنوان "نصاب کی بات" میں آ رہی ہے۔

امام العصر محمد عبدہ کا فکر انگیز تجزیہ

امام العصر محمد عبدہ (1905م) ایک بالغ نظر عالم اور عصری تقاضوں کا بخوبی ادراک کرنے والے مفکر تھے۔ آپ سال گزرنے اور نصاب کی شرط کو زکوٰۃ کی اہمیت ختم کرنے کی تمہید قرار دیتے تھے ان کا استدلال ہے کہ:

وحی الٰہی نے بیسیوں مقامات پر زکوٰۃ کے حکم کو دہرایا اور درجنوں بار ذکر کیا ہے مگر کسی ایک مقام پر بھی زکوٰۃ کے ساتھ نصاب اور سال گزرنے کی شرط کو بیان نہیں فرمایا آخر کیا وجہ بنی کہ اتنے اہم معاملہ میں زبان وحی خاموش رہی۔

(تفسیر المنار جلد 2/118)

امام العصر کا مفہوم یہ ہے کہ زکوٰۃ کے وسیع تر مفہوم کو محدود اور سرمایہ داروں کے حسب حال بنانے کے لئے ہی یہ

شرطیں عائد کی گئی تھیں۔ بنابریں علما کے موقف سے اختلاف کرتے ہوئے واشگاف طور پر اسے "فراڈ" قرار دیا ہے فرماتے ہیں **تلک الحیل الشیطانیہ لم یجد لھا واضعوھا شبھة من تحریف کتاب اللہ وتاویل آیاتہٖ کما ھی طریقتھم فی اتباع اھوائھم و تائید آرائھم فان اللہ تعالٰی لم ینکر فی کتابہٖ ۔ الحول ۔ والنصاب وانما ذکر ماھو روح الدین و مقصدہٗ وھوایتاءَ الزکٰوة وکونہٖ آیة الایمان و ترکہ آیة النفاق والکفران۔**

"زکوٰۃ حذف کرنے کے یہ شیطانی حیلے اختراع کنندگان نے اس لئے اختیار کئے کہ اس طرح کتاب اللہ کا حکم ابہام کے جبڑوں میں دے کر پھر اس کی آڑ میں تحریف و شبہات پیدا کرنے کا وطیرہ اپنائیں اور حقائق کو اپنی ہوائے نفس کے تابع کر دکھلانے کے لئے تاویل کے پٹ کھول دیں۔ لیکن کتاب اللہ ان کی باتوں کی ذمہ داری قبول نہیں کرتی کیونکہ اللہ سبحانہ نے اپنی پوری کتاب میں سال گزرنے اور مالیت کی مفروضہ حد تک پہنچنے کی شرائط کو کہیں بھی ذکر نہیں فرمایا اس میں تو صرف "دین" کی روح اور مقصد پر زور دیا گیا ہے کہ زکوٰۃ (بے حیل و حجت) ادا کر دیجائے کہ عدم ادائیگی منافقت اور بغاوت ہے۔"

(تفسیر "المنار" طبع سوم مصر جلد 2/118-119)

امام العصر کا مفہوم واضح ہے کہ نصاب اور سال گزرنے کی شرط سے سرمایہ داروں کو زکوٰۃ بچانے کا چانس فراہم کرنا مقصود ہے۔ کیونکہ وحی قرآن نے اپنے الفاظ میں نہ سال گزرنے کی شرط رکھی ہے نہ مالیت کی مقدار سے بحث کی ہے اور نہ ہی یہ کہ کتنے مال پر کتنی زکوٰۃ ہے؟ بلکہ اسے غیر متعین چھوڑ دیا۔ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عہد مبارک میں حالات و ضروریات کے تناظر میں اپنی صوابدید سے جتنا مناسب سمجھا وصول فرمایا۔ لیکن اب ہماری ضروریات کا نہ وہ پیمانہ ہے اور نہ ظرف ہم اپنے زمانے میں دیکھیں گے کہ آیا کہ زکوٰۃ کی مفروضہ شرح ڈھائی فی صد' ہماری ضروریات کی کفالت کر سکتی ہے یا نہیں؟ اگر نہیں کرتی تو ہم قانون انفاق کی ضوء میں مفروضہ رائج شرح پر نظرثانی اور ردوبدل کے مجاز ہوں گے اور حالات کے مطابق ہر وقت مناسب شرح کا صوابدیدی حق استعمال کرتے رہیں گے۔ قرآن نے صنعتی و تجارتی پیداوار کی طرح زرعی پیداوار پر بھی غلہ یا نقد صورت میں مالیانہ ادا کرنے کا حکم دیا ہے (انعام 141) مگر وہاں بھی صوابدید ہی سے مربوط فرما دیا ہے۔ کیونکہ یکساں شرح نہ ہو سکتی تھی خاص کر زراعت کا بارانی' کاریزی' نہری اور چاہی پانی پر انحصار ہے اور ان میں صرف بارانی پانی ہی کم مشقت سے میسر آتا ہے جس پر پیداواری محصول غالباً" 20 فی صد لیا جاتا رہا ہے۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ محصولات کی جو بھی نوعیت ہو گی صوابدیدی اور بار بار تخمیناتی ہو گی۔

شیطانی حیلے

قرآن محکم نے زکوٰۃ کی شرح سے تعرض نہ فرما کر مطلق چھوڑ دیا ہے۔ دنیا پرست علماء اور اصحاب زر نے اس اطلاق سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کی۔۔ ادائیگی سے بچنے کے بہانے تراشنا شروع کر دیئے امام العصر لکھتے ہیں **المخذولین لماتر کوا الاھتداء بالکتاب والسنة وجعلوا عبارات الکتب التی صفوھا ھی ماءٓ خذالدین وینا بیعہٖ صاروا یحتالون فی تطبیق اعمالھم علی تلک العبادات المخلوقة فیکتب احدھم مثلا تجب الزکٰوة علی مالک النصاب ازاتم الحول وھو مالکہٗ ثم یعمد ھو وغیرہ الی تطبیق دینہٖ علی ھذہ العبارات فیھب مالہ قبل انقضاء الحول بیوم اویو مین**

الی امرأتہٖ ولو مع الاشتراط علیھا ان تعیدہ لہ بعد یوم او یومین ویقول انہ لم یجب علیہ الزکوٰۃ بحسب نص الکتاب الذی سماہ انفقھاء یدکّ بکلمۃ الکتاب المخلوق کتاب اللّٰہ القدیم۔

خدائی خوار (**المخذولین**) نے خدا اور رسولؐ کی ہدایت سے پیچھا چھڑاتے ہوئے جن کتابوں کو خود لکھا اور مفروضوں کو تخلیق کیا انہوں نے ہی اپنی تخلیقات کو دین کا ماخذ اور سرچشمہ بنا ڈالا۔ بلکہ اپنی روسیاہیوں اور خود نوشتوں (**العبارات المخلوقہ**) سے ہم آہنگ کر دکھلانے کے لئے کہنا شروع کر دیا کہ ---- زکوٰۃ تو ایسے شخص پر واجب ہے جس کے مال پر ایک برس گزر جائے اور وہ مال اس کے قبضے میں بھی ہو۔۔۔ اس بہانے وہ زکوٰۃ کے ایک بنیادی حکم کو غیر موثر بنانے کے لئے سال گزرنے سے ایک۔ یا دو دن پہلے تمام مال اس شرط پر بیوی کو ہبہ کر دیتا ہے کہ اسے دو یا ایک دن بعد واپس لے لیگا اس طرح یہ حیلہ سازیاں سر انجام دینے کے بعد وہ مطمئن ہو جاتا ہے کہ فی الواقع اس پر زکوٰۃ واجب ہی نہیں ہوئی --- لیکن یہ حرکت سرانجام دے کر وہ دین کے ایک بنیادی حکم اور اللہ کی قدیم کتاب کو ایسی کتاب سے دے مارنے کی جسارت کرتا ہے جو خود ان کی اپنی تخلیق ہے اور جو تمام فقیہِ مصلحت بیں کے افکار کی رہین منت ہے۔

(المنار طبع قاہرہ 1368 ہجری جلد 2/119)

حیلہ گر اصحاب شرع نے تمام تر یہ حیلے یہود کے احبار ورحبان سے اخذ کر لئے تھے کہ وہ بھی " سبت " (Saturday) کے دن شکار نہ کرنے کے حکم سے بچنے کے لئے جمعہ ہی کو مچھلیوں کو ہانک کر تالاب میں جمع کرتے اور خیال کرتے کہ انہوں نے اصل حکم کی خلاف ورزی نہیں کی۔۔۔

ناظرین محترم۔۔ حیلہ گروں کے ان حیلوں سے بچنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی سیدنا معاویہؓ (680م) نے صحابہ کے مشورے سے اور امت کے بڑے امام جناب ابو حنیفہؒ (767م) نے سال ختم ہونے سے پہلے ہی زکوٰۃ وصول کرنے کا فیصلہ کر کے ان کا "مکو" باندھ لیا تھا۔

نصاب کی بات

صاحب مال کے پاس کتنی مالیت کا سونا و چاندی ہو جس پر زکوٰۃ واجب ہے؟ اس کی بابت واضح کیا جا چکا ہے کہ فقہا میں اختلاف ہے ساڑھے چھتیس تولے چاندی کا نصاب ان کا آخری فیصلہ ہے ویسے ساڑھے باون تولے' تو ہے ہی لیکن ان کے تجویز کردہ نصاب کی مالیت میں نہ یکسانیت ہے اور نہ معقولیت کیونکہ آج کے حساب سے چاندی ساڑھے چھتیس تولے کی قیمت =/3700 روپے اور سونے ساڑھے سات تولے کی قیمت =/39000 روپے ہے۔ ادھر مشاہدہ یہ ہے کہ چاندی عام طور پر غریب یا متوسط لوگ ہی استعمال میں لاتے ہیں اور سونا خوشحال لوگ۔ اب ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ زیادہ بوجھ سرمایہ داروں پر ڈالدیا جاتا مگر نتیجہ شرنے یہاں بھی خوشحال لوگوں کو فائدہ پہنچانے کی ٹھان رکھی ہے کہ غریب تو سوا تین ہزار روپے کی مالیت بھی نہ بچا سکے مگر امیر انتالیس ہزار ہضم کر ڈالے۔اور چونکہ نصاب ان سائنٹیفک اور غیر معقول ہے لہٰذا اس کی شرعی حیثیت کچھ بھی نہیں ہے خاص کر ڈھائی فی صد سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ بالکل ہی لاعلم تھے محدثین کے بڑے پشتیبان اور حدیث نبوی کے وکیل حافظ ابن حجر (1449م) کو تسلیم ہے اور صاف لکھتے ہیں کہ **ان الدرھم لم یکن معلوم القدر حتّٰی جاء عبدالملک بن مروان فجمع العلماء فجعلوا کل عشرۃ دراھم سبعۃ مثاقیل**

"عبدالملک بن مروان (705م) کے زمانے تک درہم کا وزن طے شدہ نہیں تھا عبدالملک نے اہل علم کو جمع کر کے فیصلہ طلب کیا انہوں نے حالات کا جائزہ لے کر ہر دس درہم کو سات مثقال کے برابر قرار دے کر ایک گونہ وزن کا تعین کر دیا۔"

(فتح الباری طبع سلفیہ قاہرہ جلد 3/310-311)

یہ اقتباس واضح کرتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے نزدیک درہم کا وزن طے نہ تھا کیونکہ خود درہم بھی مختلف وزن کا ہوتا تھا۔

یہ ایک زبردست حقیقت ہے جو ابو عبیدہ کے حوالہ سے ابن حجر نے منکشف کی ہے لیکن افسوس کہ وہ اپنے انکشاف سے مطمئن نہیں اس کی "چوٹ" محسوس کرتے ہوئے قاضی عیاض (1149م) کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ۔

"ایسا ناممکن ہے اگر درہم کا کوئی مقررہ وزن تسلیم نہ کیا جائے تو ماننا پڑے گا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی نامعلوم الوزن درہموں کو نصاب بنا گئے تھے" (حوالہ مذکورہ)

ابن حجر اور قاضی عیاض کو ابو عبیدہ (826م) کے انکشاف پر اعتراض تھا تو انہیں چاہئے تھا کہ نبوی عہد کے کسی درہم کا وزن سامنے لے آتے۔ صرف اس "احتمال" پر یقین کی عمارت استوار کرنا کہ ایسا ناممکن ہے۔ ایک احتمال تو ہو سکتا ہے دلیل نہیں بن سکتا اور ہم وثوق سے کہتے ہیں کہ احتمال ہے اور احتمالات کے ناتواں شانے حقیقتوں کا بوجھ نہیں سہار سکتے۔

درہموں کے وزن یکساں نہیں ہوتے تھے

ابو عبید اور اس سے پہلے حبیب اندلسی اور بشر بن غیاث، ابن عبدالبر اور اسماعیل تجربے اور مشاہدے کی روشنی میں کہہ چکے ہیں کہ علاقوں اور ریاستوں کے درہم اور دینار یکساں وزن کے نہیں ہوتے تھے بلکہ ایک ہی ملک اور ایک ہی عہد کے سکوں کا وزن بھی سائنٹیفک نہ ہوتا تھا آج تو کمپیوٹرائزڈ کنڈے موجود ہیں لیکن گذشتہ کئی صدیوں سے بٹے اور اوزان اتنی دقت اور باریکی سے ڈھالے جاتے تھے کہ "ہوا" کا وزن بھی بتا دیتے تھے لیکن زمانہ قدیم میں ایسی احتیاط و باریکی سے کام نہیں لیا جاتا تھا یہی وجہ ہے کہ اسلاف کسی متفقہ یا قابل قبول وزن پر متفق نہ ہو سکے۔ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جو درہم اور دینار مستعمل ہوتے تھے وہ شام کے ہرکولیس اور مصر کے مقوقس کے نام کے ہوتے تھے آپؐ نے ان کا قانونی اعتراف کر کے مملکت اسلامیہ میں قابل استعمال گردانا تھا مکے اور مدینے کے بازاروں میں ان ہی کے ذریعہ لین دین ہوتا تھا لہٰذا آپؐ نے نہ تو نصاب کا سوال اٹھایا اور نہ ہی شرح کا جہاں تک عبدالملک کے اسلامی سکوں کا تعلق ہے تو ماہرین آثار قدیمہ نے اس کے سونے کے دیناروں کی تفصیل اس طرح دی ہے جن میں ہم وزنی کا بالکل ہی فقدان ہے اور ان ہی پر درہموں کے اوزان کی ناہمواری کا بھی قیاس کیا جا سکتا ہے۔

عبدالملک کا دور 65 ہجری سے شروع ہو کر 89 ہجری پر ختم ہو جاتا ہے ان اکیس سالوں میں آپ نے جو دینار ڈھالے انکی تفصیل اس طرح ہے۔

79ھ کے دینار کا وزن	2/78 گرام اور قطر 19 ملی میٹر ہے
80ھ کے دینار کا وزن	4/312 گرام اور قطر 20 ملی میٹر ہے
83ھ کے دینار کا وزن	4/254 گرام اور قطر 19 ملی میٹر ہے
84ھ کے دینار کا وزن	4/25 گرام اور قطر 40 ملی میٹر ہے
86ھ کے دینار کا وزن	4/252 گرام اور قطر 20 ملی میٹر ہے نیز
86ھ ہی کے ایک دینار کا وزن	2/15 گرام اور قطر 19 ملی میٹر ہے

اسی طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہر کولیس کے جو دینار مستعمل تھے وہ بھی یکساں وزن کے نہیں تھے مثلاً ایک دینار کا وزن اگر 4/26 گرام یعنے 66 دانے

(Grains) تھا تو اسی ہی کا دوسرا دینار 4/50 گرام کا بھی تھا پس جب ایک ہی سلطنت کے ایک ہی معیار کے سکوں کے وزن میں باقاعدگی نہیں تھی تو مختلف ممالک کے سکوں اور کرنسیوں کے معیار اور تبادلے کے نرخوں میں جو فرق تھا وہ کیونکر نظر انداز ہو سکے گا لہٰذا ضرورت ہے کہ اسلامی حکومتیں زکوٰۃ کی فرسودہ تفاصیل پر نظرثانی کریں۔

زکوٰۃ کی شرح معروضی حالات کے تابع ہے

ہرگاہ کہ سید البشر صلے اللہ علیہ وسلم سے لے کر عبدالملک کے عہد تک کوئی فی صد یا شرح معلوم القدر نہیں تھی خود عبدالملک نے جو نقود ڈھالے تھے ان سے بھی شرح کا پتہ نہیں چلتا تو ایسے میں ڈھائی فی صد شرح کا تعین غیر معقول اور غیر علمی انداز فکر ہے۔ ہو سکتا ہے کہ جس زمانے میں جبکہ زندگی کی ضروریات محدود' منصوبے اور سکیمیں مفقود ہوں نہ سکول ہوں نہ کالج نہ سڑکیں ہوں نہ شفاخانے۔ نہ سرکاری دفاتر ہوں نہ عسکری مراکز تب ڈھائی فیصد سے کام چل جاتا ہو لیکن آج تو اس سے کوئی ضرورت مند بیڑا اور نسوار بھی نہیں خرید سکتا اس سے تو بہتر ہے کہ زکوٰۃ کی دکان ہی بڑھا دی جائے۔ لیکن زکوٰۃ اسلام کا مالیاتی اور کثیر المنافع نظام ہے اسے نہ ختم کیا جا سکتا ہے نہ حیلہ گروں کی بدعنوانی سے معطل اور غیر موثر بنایا جا سکتا ہے بلکہ ہر دور میں حالات و ضروریات کے مطابق اس میں اضافہ کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ زکوٰۃ اور انفاق الٰہی ضابطے ہیں جو سراسر معروضی حالات کے تابع ہیں۔ نادار اور وسائل معیشت سے محروم لوگوں کا حق بنتا ہے کہ انہیں (ان مدات سے کمک پہنچا کر اپنے پاؤں پر کھڑا کیا جائے۔ نامراد مرد اور عورتیں جو کام کرنے کی سکت نہیں رکھتے انہیں دستکاری یا کاروباری سنٹروں میں چند ماہ ٹریننگ دے کر روزگار مہیا کیا جائے جتنے تجربہ حاصل کرنے کے بعد انہیں اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کے لئے کسی دیانتدار کمیٹی کی زیر نگرانی اتنا پیسہ دیا جائے کہ اس کا کام چل سکے اور اگلے سال زکوٰۃ دینے والوں میں شامل ہو۔ لیکن یہ تمام امور اس وقت ہی ثمر آور ہو سکتے ہیں جب پاکستان میں قرآن کے داخلہ کو ممکن بنا دیا جائے اور اسکی حاکمیت کو تسلیم بھی کیا جائے۔ قرآن اگر ماضی کی طرح پاکستان کے لئے اجنبی ہے تو ناممکن ہے کہ آپ کسی بھی مرحلے پر زکوٰۃ کی محدود فیصد کے ذریعہ غربت اور افلاس کا تدارک کر پائیں۔ اس سے بھکاریوں کی فوج تو تیار ہوتی رہے گی مگر کسی غیرت مند قوم کا روپ اختیار کرنا ناممکن ہی رہے گا جب بندے بھی اللہ کے ہیں اور مال بھی اللہ کا تو پھر کیا رکاوٹ ہے کہ آپ حب زر کے گرویدہ ہو کر ڈھائی فیصد کی غیر کافی شرح کو جز و ایمان بنائے رکھیں۔ آپ سمجھتے ہیں کہ ایک بڑے آدمی سے 6 ارب روپے کی زکوٰۃ (15 کروڑ روپے) لے کر دینی مدرسوں تک پہنچا دیں تو باقی 5 ارب 85 کروڑ روپے بالکل محفوظ ہو جائیں گے۔ نہیں ایسا نہیں ہو سکتا نحل (71) کی رو سے کوئی بھی شخص 15 کروڑ دے کر 5 ارب 85 کروڑ کا غیر مسئول مالک نہیں بن سکتا۔ مفلس قوم کے خزانے کو ان پیسوں کی بڑی ضرورت ہے دفاع کے لئے ضرورت ہے صحت کے لئے ضرورت ہے اور تعلیم کے لئے ضرورت ہے کیا ان تمام ضروریات کی تکمیل نہ کرنے سے اپنی حفاظت کر سکتے ہیں؟ ناممکن۔ امام ابن حزم (1064م) اندلسی اپنی فقہی انسائیکلو پیڈیا۔ "المحلّٰی" (Muhalla) طبع منیریہ قاہرہ کی چھٹی جلد میں لکھتے ہیں۔

فی مالک حق سوا الزکوۃ زکوٰۃ ادا کر دینے کے بعد بھی زکوٰۃ نکالے مال میں "ملت" کا حق ہے۔ وہ ضرورت کے مطابق سارا لے سکتی ہے

(المحلی 159/6)

کیونکہ زکوٰۃ کے بعد کالا دھن سفید تو ہو سکتا ہے سرمایہ دار کی جاگیر نہیں بن سکتا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ڈاکٹر شبیر احمد (فلوریڈا)

ایک کانفرنس

تند و سبک سیر ہے گرچہ زمانے کی رو
عشق خود اک سیل ہے سیل کو لیتا ہے تھام

صاحبو! گزشتہ دنوں بر سر افلاک مشاہیر ملت کی ایک عظیم کانفرنس منعقد ہوئی۔ اس عظیم کانفرنس میں وہ مسائل زیر بحث آئے جو ملت اسلامیہ کو عموماً اور پاکستان کو خصوصاً درپیش ہیں۔ شرکائے محفل تھے قائد اعظم (1876ء تا 1948ء)، ٹیپو سلطان 1750ء تا 1799ء)، رابعہ بصری (713ء تا 801ء) سلطان شمس الدین التمش (1185ء تا 1236ء) نورالدین زنگی (1105ء تا 1163ء) محمد بن قاسم (694ء تا 717ء) ابن خلدون (1332ء تا 1406ء) محمود غزنوی (969ء تا 1030ء) آیت اللہ خمینی (1905ء تا 1988ء) سلطان مراد اول (1319ء تا 1389ء) شیر شاہ سوری (1480ء تا 1545ء) جمال الدین افغانی (1838ء تا 1897ء) ابن بطوطہ (1304ء تا 1378ء) محمد علی جوہر (1878ء تا 1930ء) الطاف حسین حالی (1837ء تا 1914ء) غیاث الدین بلبن (1207ء تا 1287ء) اسماعیل شہید (1786ء تا 1831ء) بایزید یلدرم (1349ء تا 1402ء) ظہیر الدین بابر (1482ء تا 1530ء) صلاح الدین ایوبی (1137ء تا 1193ء) رضیہ سلطان (1210ء تا 1240ء)

(خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را)

کانفرنس کی نظامت کے فرائض علامہ اقبالؒ نے انجام دیئے۔ آیئے آپ کو اس کانفرنس کی کچھ جھلکیاں دکھلاتے ہیں۔ علامہ اقبالؒ فرما رہے ہیں۔ "اے محسنین ملت! جدھر دیکھتا ہوں قوم رسول ہاشمیؐ ظلم، بے کسی، محرومی، جہالت، نامیدی، انتشار، تباہی اور ذلت کی شکار ہے۔ ایسا لگتا ہے قوم خود اپنی دشمن ہو گئی ہے اور زمانے کی رو بھی قوم کے خلاف چل رہی ہے۔ میں سمجھتا ہوں اگر ملت کا جذبہ حریت جاگ اٹھے اور خودی بیدار ہو جائے تو مقصد کی لگن خود ایک سیلاب بن کر زمانے کے سیلاب کو تھام سکتی ہے۔"

قائد اعظم:۔

اتحاد، تنظیم اور یقین محکم سے وہ جذبہ بیدار ہو سکتا ہے جس کا ذکر آپ کر رہے ہیں۔ اتحاد، تنظیم اور یقین محکم پیدا ہونا بظاہر مشکل نظر آتا ہے لیکن درحقیقت بہت آسان ہے۔ اس کے لئے ضرورت ہے صرف ایک ایسے لیڈر کی جو قوی بھی ہو اور امین بھی۔ لیڈر شپ صاحب کردار ہو تو عوام اسی قالب میں ڈھل جاتے ہیں۔

ابن بطوطہ:۔

بجا ارشاد ہوا۔ میں نے دنیا گھوم کر دیکھی ہے۔ عالم اسلام میں مجھے ایک بھی لیڈر آج ایسا دکھائی نہیں دیتا جس کی فکر آفاقی ہو اور جس کے قول و فعل میں تضاد نہ ہو۔ اقبالؒ

کی یہ آرزو انشاء اللہ بہرحال پوری ہو گی۔

خوشا وہ قافلہ جس کے امیر کی ہے متاع
تخیل ملکوتی و جذبہ ہاے بلند

رضیہ سلطان:۔

میں تو یہ کہتی ہوں کہ مسلمانوں کی فکری اور سیاسی بیداری میں خواتین کو بھی اپنا کردار نبھانا ہو گا کیونکہ وہ امت کی نصف آبادی ہیں۔ افسوس کی بات ہے کہ ارباب دانش اور اہل قلم خواتین ویسے ہی ملت میں بہت کم ہیں اور جو ہیں وہ "نسوانیت کی نمود" کے نام پر نوجوان کی روح کو خوابیدہ اور بدن کو بیدار کر رہی ہیں۔ جس لیڈر کی نشاندہی ابن بطوطہ صاحب فرما رہے ہیں اس کے لئے پہلے ہمیں ایک بی اماں کی ضرورت ہو گی۔

محمد علی جوہر:۔

والدہ ماجدہ و مرحومہ کے احترام کے لئے میں رضیہ سلطان کا ممنون ہوں۔ لائق اور باغیرت ماؤں کی گود میں ہی وہ مجاہد پروان چڑھ سکتے ہیں جو جہاد بالقلم بھی کر سکیں اور جہاد بالسیف بھی۔

صلاح الدین ایوبی

یہاں میں آپ سب کی خدمت میں آقائے نامدارؐ کا ارشاد گرامی پیش کرنا چاہتا ہوں۔ فرمایا "مومن کی زندگی کیا ہے؟ یہ کہ جہاد ہو رہا ہو تو اس میں شریک ہوا اور جہاد (بالسیف) نہ ہو رہا ہو تو اس کی تیاری میں مصروف ہو۔"

علامہ اقبال:۔

آج کل صورتحال یہ ہے کہ

دین کافر فکر و تدبیر جہاد
دین ملا فی سبیل اللہ فساد

ابن خلدون:۔

تاریخ کا بے لاگ جائزہ ہمیں بتاتا ہے کہ جو قوم جہاد کو ترک کر دیتی ہے، غیروں کی غلامی و محکومی اس قوم کا مقدر بن جاتی ہے۔

محمود غزنوی:۔

خدا کا شکر ہے تاریخ نے مجھے بت شکن کے نام سے یاد کیا، بت فروش نہیں کہا۔ مجھے لٹیرا کہنے والے دشمن نہیں جانتے کہ جہاد اور لوٹ مار میں کیا فرق ہے۔ لٹیرے تو آج کے اہل مغرب اور یہود و ہنود ہیں جو چنگیز خاں کی طرح صرف تباہی پھیلاتے ہیں۔ میں تو جہاں جہاں گیا وہاں کے عوام کو مقامی حکمرانوں کے استبداد سے آزاد کرتا گیا اور ہند کے طول و عرض میں خدا کا آخری پیغام پہنچاتا چلا گیا۔

آیت اللہ خمینی:۔

اہل مغرب اور یہود و ہنود کی سازشوں اور مسلم دشمنی کا ایک ہی توڑ ہے کہ اسلامی ممالک باہم متحد ہو جائیں۔

ٹیپو سلطان:۔

یہ بات بھی اہم ہے کہ ہم اپنی صفوں کو میر صادق اور میر جعفر جیسے غداروں سے پاک رکھیں۔ قرآن حکیم فرماتا ہے کہ آسمانوں میں بھی وہی ایک حاکم ہے اور زمین میں بھی وہی حاکم ہے لیکن ملت کے غداروں نے امریکہ کو زمین کا خدا مان لیا ہے۔ ملت اہل مغرب کی غلامی کی خوگر ہو گئی ہے۔

ان غلاموں کا یہ مسلک ہے کہ ناقص ہے کتاب کہ سکھاتی نہیں مومن کو غلامی کے طریق

ہمیں یاد رہنا چاہیے کہ شیر کی ایک دن کی زندگی گیدڑ کی سو سالہ زندگی سے بہتر ہے۔

محمد بن قاسم:۔

میں نے تو یہ نکتہ 17 برس کی عمر میں سیکھ لیا تھا اور میں

انکساری سے دعویٰ کرتا ہوں کہ پاکستان 1947ء میں نہیں بنا تھا 711ء میں بن گیا تھا جب میں نے دیبل پر اسلامی پرچم لہرایا تھا۔

الطاف حسین حالی:۔

آپ کا دعویٰ ایک اعتبار سے درست ہے البتہ سانحہ یہ ہوا کہ برصغیر کے مسلمانوں نے ہندوانہ طور طریقے اتنے اپنا لئے کہ وہ برصغیر کو اسلامی رنگ نہ دے سکے۔

کرے غیر گر بت کی پوجا تو کافر
جو ٹھہرائے بیٹا خدا کا تو کافر
جھکے آگ پر بہر سجدہ تو کافر
کواکب میں مانے کرشمہ تو کافر
مگر مومنوں پر کشادہ ہیں راہیں
پرستش کریں شوق سے جس کی چاہیں

شمس الدین التمش:۔

اگر حاکم دیندار، باکردار اور صحیح معنوں میں توحید پرست رہیں تو ملت پر مشرکانہ ثقافت کا رنگ چڑھ ہی نہیں سکتا۔

غیاث الدین بلبن:۔

اور حاکموں کو چاہئے کہ وہ خود کو مثال بنائیں اور عوام و خواص میں قانون کی برابری کا خیال رکھیں۔

شیر شاہ سوری:۔

عوام کی فلاح و بہبود کا خیال رکھا جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ حکومت وقت کے معاون نہ بنیں۔

سلطان مراد:۔

اس طرح ملک میں امن و امان پیدا ہو جانے سے مملکت پوری طرح اپنی توجہ دشمنان دین و ملت کی طرف وقف کر سکے گی۔

جمال الدین افغانی:۔

یہ بات یاد رہنی چاہیے کہ مسلمان دنیا میں کہیں بھی آباد ہوں وہ ایک قوم ہیں۔ مسلمانوں پر کہیں سے بھی کسی بھی سرزمین پر فکری یا فوجی حملہ پورے عالم اسلام پر حملہ تصور کیا جانا چاہیے۔

بایزید یلدرم:۔

یہ بات میں نے امیر تیمور کو سمجھانے کی کوشش کی تھی لیکن بدقسمتی سے اس نے مجھ پر حملہ کر کے سلیبوں کی بیخ کنی کرنے کا موقع چھین لیا اور میں اسے تاریخ اسلام کا عظیم سانحہ سمجھتا ہوں۔ حال ہی میں ایران اور عراق کی جنگ اور پھر عراق اور کویت کی چپقلش سے ملت کا نقصان عظیم ہوا ہے۔

علامہ اقبال:۔

امید کیا ہے سیاست کے پیشواؤں سے
یہ خاکباز ہیں رکھتے ہیں خاک سے پیوند

قطب الدین ایبک:۔

ان حالات میں امریکہ اور یورپ کو عالم اسلام میں دخل اندازی کرنے کا تازہ موقع فراہم ہوا ہے۔ وہ جمہوریت اور انسانی حقوق کے نام پر آگے بڑھتے ہیں۔

علامہ اقبال:۔

جی ہاں! جو انسانیت کے مقام سے آگاہ نہیں ہیں وہ ہمیں "انسانی حقوق" اور جمہوریت کا درس دیتے ہیں۔

اقبال کو شک اس کی شرافت میں نہیں ہے
ہر ملت مظلوم کا یورپ ہے خریدار

شاہ اسماعیل شہید:۔

دور حاضر کی جمہوریت نقاب پوش بادشاہت سے بدتر

ہے۔ اس لئے کہ

جلال پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو
جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

نور الدین زنگی :-

بجا فرمایا' خصوصاً" پاکستان جیسے ملک میں دین اور سیاست کو جدا نہیں ہونا چاہیے۔ میں نے حسرت سے یہ منظر دیکھا ہے کہ قائد اعظمؒ کے بعد ملکی معاملات سیکولر دانش کے تحت چلائے گئے ہیں اور ارباب حکومت نے کبھی قرآن حکیم سے اہم امور میں بھی رہنمائی نہیں ڈھونڈی۔

ظہیر الدین بابر:-

میں نے افغانستان اور ہندوستان میں دونوں طرح کی حکومت کا تجربہ کیا ہے۔ دور اول میں کہا کرتا تھا "بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست" دوسرے دور میں ناؤ نوش سے تائب ہوا تو میری دنیا ہی بدل گئی اور سلطنت دہلی کو میں نے مستحکم کر دیا۔

رابعہ بصری :-

آپ حضرات یہ بشارت سن لیں کہ عنقریب انشاء اللہ کایا پلٹنے والی ہے اور آپ سب کی امنگیں پوری ہونے کا وقت آرہا ہے۔

نکل کے صحرا سے جس نے روما کی سلطنت کو الٹ دیا تھا
سنا ہے یہ قدسیوں سے میں نے وہ شیر پھر ہوشیار ہو گا

علامہ اقبال

ختم نبوت فنڈ کا قیام

طلوع اسلام عقیدہ ختم نبوت کو دین کی اصل اور اسلام کی اساس سمجھتا ہے۔ اس کے نزدیک حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے آخری نبی اور رسول ہیں اور آپ کے بعد کوئی نبی یا رسول نہیں ہو سکتا۔ نیز اللہ تعالیٰ کی طرف سے ختم نبوت کا اعلان دراصل نوع انسان کی آزادی کا اعلان ہے۔ انسانی اختیار و ارادہ پر جس قدر پابندیاں عاید کرنی مقصود تھیں ان سب کی صراحت قرآن مجید میں کر دی گئی ہے۔ اور اس امر کی ضمانت دی گئی ہے کہ ان میں کوئی تغیر و تبدل نہیں کر سکتا۔ یہ ضمانت نوع انسان کے لئے بہت بڑی رحمت ہے کیونکہ اس کی رو سے انسان اپنی آزادی کی طرف سے حتمی اور یقینی طور پر مطمئن ہو جاتا ہے۔

علامہ غلام احمد پرویز نے اپنی معرکہ آراء تصنیف "ختم نبوت اور تحریک احمدیت" میں اس موضوع پر نہایت مدلل اور پرمغز بحث کی ہے۔ اس کتاب کی اہمیت اور افادیت کے پیش نظر ادارہ طلوع اسلام نے فیصلہ کیا ہے کہ اس کی وسیع پیمانے پر اشاعت کر کے مفت تقسیم کیا جائے تاکہ اس سے زیادہ سے زیادہ لوگ استفادہ کر سکیں اور دوسرے یہ کہ عقیدہ ختم نبوت سے متعلق طلوع اسلام کے نقطہ نظر کے بارے میں جو غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں ان کی وضاحت ہو جائے۔ اس کام کے لئے بہت ساری رقم درکار ہے جو کہ تحریک طلوع اسلام کی مالی استطاعت سے باہر ہے۔ لہذا، ختم نبوت کے نام سے فنڈ قائم کیا گیا ہے اور طلوع اسلام کے تمام کرم فرماؤں سے استدعا کی جاتی ہے کہ وہ اس فنڈ میں دل کھول کر چندہ دیں تاکہ اس کام کو خوش اسلوبی سے سر انجام دیا جا سکے۔ آپ اپنے عطیات ادارہ طلوع اسلام یا طلوع اسلام ٹرسٹ ختم نبوت فنڈ کے اکاونٹ میں بھجوائیں۔ تحریک آپ کے تعاون کے لئے ممنون رہے گی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قدرت اللہ شہاب

اقبال اور فریاد

آزادی سے پہلے تو خیر دوسری بات تھی لیکن اب اللہ کے فضل و کرم سے آپ کو پاکستان مل گیا ہے تو ذرا مجھے بھی دم لینے دیجئے۔ شکایت کرنا تو مومن کی شان کے خلاف ہے لیکن جس بے دردی سے آپ میرا پیچھا فرما رہے ہیں اس میں میرے اور میری شاعری دونوں کے لئے بڑی عبرت کی نشانیاں ہیں۔

جلسے جلوس میں گڑبڑ کا احتمال ہو تو اس کی روک تھام کے لئے اقبال کا شعر، دھواں دھار تقریر میں سانس پھولنے لگے تو دم لینے کے لئے اقبال کا شعر۔ رسالوں میں بچی کھچی جگہ پر کرنے کے لئے اقبال کا شعر، ریڈیو میں فالتو لمحات گزارنے کے لئے اقبال کا شعر۔ کوئی گفتار ہو یا گالی گلوچ، نصیحت ہو یا فضیحت، وقت بے وقت، جگہ بے جگہ میرے غریب اشعار کا حلیہ بری طرح بگاڑا جاتا ہے۔ خوشامد اور چاپلوسی مقصود ہو تو طائرلا ہوتی کا بیان ہوتا ہے۔ فرعونیت میں اسرار خودی فاش کئے جاتے ہیں۔ شراب اور کباب میں رموز بے خودی کی تلاش ہوتی ہے۔ چندے کے وقت شاہین بچوں کے بال وپر اچھالے جاتے ہیں۔ چور بازاروں میں دہقان کی روزی اور خوشہ گندم کی داستان چلتی ہے۔ دن کے وقت تقدیر امم اور شمشیر و سنان کے نعرے بلند ہوتے ہیں۔ رات کے وقت طاؤس ورباب کی باری آتی ہے۔ یہ بھی غنیمت ہے کہ آہ سحر تیرکا" میرے لئے چھوڑ دی جاتی ہے اور اللہ کا نام ساقی کے سپرد ہوتا ہے ورنہ خدا جانے ان دوزمینوں میں بھی کیا کیا گل کھلائے جاتے۔ سینما والے اپنے اشتہاروں میں "ہے دیکھنے کی چیز اسے بار بار دیکھ" کی تلقین فرماتے ہیں۔ ایک آملہ ہیر آئل والے نے تیل کی بوتلوں پر "گیسوئے تابدار کو اور بھی تابدار کر کے لیبل چسپاں کر رکھے ہیں۔ ایک خاندانی حکیم صاحب اپنی مقویات اور ممیرے کے سرموں کی بدولت "میرا عشق میری نظر" بخش دینے کے دعویدار ہیں۔ الیکشنوں میں خاص طور پر میرے قلب و نظر اور عشق و خرد کا بے دریغ استعمال ہوتا ہے اور رفاہ عام کی بہت سی انجمنیں قبر کے کتبوں کے لئے میرے اشعار بلامعاوضہ منتخب کرنے کے لئے ہمیشہ کمربستہ رہتی ہیں۔

ان کے علاوہ میرے خاص کرمفرماؤں میں قوالوں اور ریڈیو والوں کا درجہ بہت بلند ہے۔ اگر ان اصحاب کی کوششیں بار آور ہوئیں تو عجب نہیں کہ بہت جلد میرے کلام کو پاکستان سے ہجرت کی سعادت نصیب ہو جائے۔ یہ وہ سنت نبوی ہے جو میں جیتے جی خود نہ نبھا سکا لیکن اگر میرے پرستاروں کی اعانت سے میرے کلام کو یہ درجہ اب مل سکتا ہے تو زہے نصیب۔ دراصل سچ تو یہ ہے کہ فی زمانہ آپ میری شاعری میں کچھ اس طرح الجھ گئے ہیں کہ نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن۔ ایک فیشن ہے کہ چھوڑیئے تو مشکل نہ چھوڑیئے تو مشکل۔ لیکن اگر قوالوں اور ریڈیو والوں کی برکت سے میرا کلام اٹھ گیا تو ہم خرما و ہم ثواب والی بات ہو گی۔ مفت بیٹھے بٹھائے مفت میں آپ کا پیچھا بھی چھوٹ جائے گا اور مجھے بھی کچھ دم لینے کی مہلت نصیب ہو گی۔

قوالوں کا دستور تھا کہ وہ عموماً فارسی پر اپنی نظر

عنایت رکھتے تھے اردو میں ان کا زور نظیر اکبر آبادی کے نمسون اور خالی کے مسدس کے علاوہ اور کسی چیز پر زیادہ نہیں چلا لیکن جوں ہی اس فقیر سے شاعری کا گناہ سرزد ہوا ان کی ساری توجہ ایک طوفان کی طرح میری طرف امڈ آئی۔ اب یہ حالت ہے کہ "شکوہ" اور "جواب شکوہ" کے علاوہ میری بہت سی دوسری معصوم نظموں کو بھی سر تال' تلفظ اور گلے کے ایسے ایسے پیچ و خم میں سے گذارا جاتا ہے کہ ان کی صورت مسخ ہو کر کچھ سے کچھ بن جاتی ہے۔ یوں تو قوالیاں عام طور پر اولیا کرام کے مزاروں پر ہوتی ہیں لیکن اللہ کا شکر ہے کہ مجھے درجہ ولایت عطا نہیں ہوا اس لئے اس فقیر کی قبر قوالوں کی دسترس سے محفوظ ہے۔ لیکن اب یہ ایک نیا گل کھلا کر قبر کی جگہ اس غریب کے نام پر قوالیوں کا دستور زور پکڑنے لگا ہے۔ چنانچہ جب شادی بیاہ یا چہلم کی رسوم کا بہانہ نہ ہو تو پر تکلف دعوتوں کے بعد شوقیہ "اقبال کی قوالیوں" سے جی بہلایا جاتا ہے۔ امید تھی کہ شاید مشاعرے اس رسم کو توڑنے میں کامیاب ہو جائیں لیکن مملکت خداداد میں قوالوں کی تعداد کسی عنوان شاعروں سے کم نہیں ہے۔ اس لئے یہ دونوں مشاغل یکساں رفتار سے جاری ہیں۔

خدا کے فضل سے قوالیوں اور ریڈیو میں کچھ ایسا چولی دامن کا ساتھ ہے کہ جب کہیں قوالی ہو رہی ہو تو ریڈیو کا گمان ہوتا ہے۔ اور ریڈیو چل رہا ہو تو قوالی کا رنگ جم جاتا ہے لیکن اس کے علاوہ ریڈیو والوں نے میری عزت افزائی کے لئے اور بھی بہت سے طریقے ایجاد کر رکھے ہیں۔ فلمی گانوں کا فرمائشی پروگرام وقت مقررہ سے ایک آدھ منٹ پہلے ختم ہو جائے تو عموماً "اقبال کا ایک شعر" کام آتا ہے۔ اگر عین موقع پر کوئی مقرر حاضر نہ ہو سکے تو تقریر کا موضوع خواہ "کیمیائی کھاد" ہو یا "پاکستانی کھالیں" اس کی جگہ بڑی بے تکلفی سے "اقبال سے ایک ملاقات" یا "اقبال کا فلسفہ خودی" رکھ دیا جاتا ہے۔ کیونکہ آپ کی دنیا میں اقبال کے ملاقاتیوں کی تعداد کچھ کم نہیں ہے بلکہ جوں جوں وقت گزرتا جاتا ہے ان کی تعداد میں کچھ اضافہ ہی ہو رہا ہے اور خدا کے فضل سے میرے فلسفہ خودی کے ماہرین کا فیض بھی بڑا عام ہے! ہاں یہ دوسری بات ہے کہ ادھر یہ تقریریں شروع ہوئیں ادھر ریڈیو کے شائقین نے سوئی گھما کر دوسرے اسٹیشنوں کی راہ لی! اللہ اللہ' ایک زمانہ تھا کہ میرا کلام سننے کیلئے لوگ عید کے چاند کی طرح انتظار کرتے تھے۔ انجمن حمایت اسلام لاہور کے سالانہ جلسے مجھے ابھی تک یاد ہیں اور میں قیامت تک جامع مسجد لاہور کا وہ سماں نہیں بھول سکتا جب نماز جمعہ کے بعد میں نے حضور رسالت ماب میں جنگ طرابلس والی نظم پڑھی تھی۔ آپ کو غالباً یاد ہو گا کہ ایک بار میں نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں التجا کی تھی کہ مرا نور بصیرت عام کر دے! شاید یہ اسی دعا کا اثر ہے کہ اب کراچی ہو یا ڈھاکہ' لاہور ہو یا پشاور' صبح ہو یا شام ریڈیو کا بٹن ڈبایئے کسی نہ کسی سے ہر وقت اقبال کا کلام ہو رہا ہے۔ کہیں گلدستہ بائی ہے کہیں سلطانہ جان یا دائم علی یا حاتم خان ہے۔ کہیں شرافت علی اور ان کے ہمنوا ہیں۔ کبھی یہ گمان گزرتا ہے کہ درویشوں کی ٹولی گا گا کر بھیک مانگ رہی ہے کبھی رونے کی ریہرسل کا شبہ ہوتا ہے' کبھی مرثیہ خوانی کا سماں بندھتا ہے۔ یہ بھی غنیمت ہے کہ اکثر لوگ اقبال کے کلام کا اعلان سنتے ہی ریڈیو کی سوئی گھما دیتے ہیں ورنہ جس نے ایک بار دل لگا کر ان راگنیوں کو سنا وہ ہمیشہ کے لئے ان نظموں کو کتابی صورت میں پڑھنے سے بھی بیزار ہو گیا۔

اگر اشتہار بازوں' قوالوں اور ریڈیو والوں کی مساعی جمیلہ کے باوجود خدانخواستہ میرے نام یا کلام کا کچھ حصہ سلامت بچ گیا تو رہی سہی کسر نکالنے کے لئے بزرگوں کی ایک اور جماعت بھی خدمت کے لئے تیار ہے۔ یہ وہ بزرگ ہیں جو میرے ہم نوالہ و ہم پیالہ تھے' جن کی صحبت میں میں نے گناہ و ثواب' عقل و عشق' خودی و بیخودی کی بے شمار

منزلیں طے کی تھیں اور جن کے سینے میں ابھی تک میرے غیر مطبوعہ اشعار اور مقولوں کے گنج ہائے گرانمایہ محفوظ ہیں یہ دوسری بات ہے کہ ان میں سے اکثر حضرات ایسے ہیں جن سے اس خاکسار کو کبھی ملاقات کا شرف بھی حاصل نہ ہوا تھا لیکن اب جس وثوق سے وہ میری زندگی کے راز ہائے سربستہ فاش کرنے میں مشغول ہیں اسے دیکھ کر کبھی تو مجھے بھی اپنے متعلق شبہ ہونے لگتا ہے! بچارے منکر نکیر الگ پریشان ہیں کہ یہ کیسا شخص تھا کہ جس کے اعمال خود ہماری نظر سے بھی پوشیدہ رہے۔ چنانچہ اب یہ معمول ہو گیا ہے کہ ادھر کسی صاحب نے گفتگو کا یوں آغاز کیا کہ "ایک روز جب میں حضرت علامہ مرحوم کی خدمت میں حاضر تھا....." ادھر اس گناہگار کے اعمال نامہ کی از سر نو جانچ پڑتال ہونے لگی! پہلے مرزا غالب بھی بہت ناراض تھے کہ یہ دنیا والے بڑے بے حیا ہیں۔ ان کے ذاتی اور نجی خطوں تک کو اٹھا کر چھاپ ڈالا لیکن جب میں نے اپنے خطوط کا حشر ان کے گوش گذار کیا تو وہ مسکرائے اور فرمانے لگے۔

"میاں اقبال غم نہ کرو۔ یہ بڑے دل گردے والی امت ہے۔ جس نے اللہ کے رسول پر بھی بے شمار الٹی سیدھی حدیثیں ایجاد کرنے سے پرہیز نہیں کیا وہ بھلا تمہارے جیسے خاکپائے رسول کو کہاں چھوڑتی!" ہائے حقیقت خرافات میں کھو گئی۔ یہ امت روایات میں کھو گئی۔

اب رہا اقبال ڈے کا معاملہ! یہ رسم میری زندگی ہی میں شروع ہو گئی تھی۔ لیکن اب میں دیکھتا ہوں کہ زمانے کے انداز بدلے گئے۔ نیا راگ ہے ساز بدلے گئے! اقبال ڈے پر بیچارے اقبال کے سوا ہر چیز کا خوب اہتمام ہوتا ہے' سیاست دانوں' طالب علموں' ادیبوں اور تاجروں کی ہر پارٹی اپنی اپنی پالی الگ جماتی ہے۔ سیاست داں دھواں دھار تقریریں کرتے ہیں کہ سند رہیں اور بوقت انتخابات کام آئیں۔ طالب علم امتحانات ملتوی کرنے پر زور دیتے ہیں۔ ادیب ایک دوسرے کی پگڑی اچھالنے کا مشغلہ سنبھالتے ہیں۔ اور تاجر لوگ امپورٹ ایکسپورٹ کے لائسنسوں کی مشکلات پر روشنی ڈالتے ہیں۔ سرکاروں درباروں میں بھی بڑے ٹھسے کے انتظامات ہوتے ہیں اور فرنگی صوفوں اور ایرانی قالینوں پر محفلیں منعقد ہوتی ہیں۔ غربا پارکوں اور باغیچوں میں جلسے کرتے ہیں۔ کھانے پینے کے شوقین ٹی پارٹیاں رچاتے ہیں۔ کہیں کہیں مشاعرہ بھی ہوتا ہے اور میرے دیرینہ کومفرما ریڈیو والوں کے دم قدم سے نظم خوانی اور قوالیوں کا رنگ بھی خوب جمتا ہے۔ اس گہما گہمی میں اگر فی سبیل اللہ کچھ توجہ میری طرف بھی منعطف ہوتی ہے تو کبھی محمود کا اقبال سامنے آتا ہے کبھی ایاز کا' کبھی بندہ کا اقبال ظاہر ہوتا ہے' کبھی بندہ نواز کا۔ لیکن بیچارے مومن کے اقبال کو کوئی نہیں پوچھتا کہ جس کے لئے میرے دیدۂ تر کی بے خوابیاں' مرے دل کی پوشیدہ بے تابیاں' میرے نالہ نیم شب کا نیاز' میری خلوت و انجمن کا گداز' امنگیں مری' آرزوئیں مری امیدیں مری' جستجوئیں مری' ہمیشہ ہمیشہ بے قرار رہتی تھیں۔

اگرچہ عالم بالا میں اقبال ڈے منانے کا رواج نہیں' لیکن رضوان کی مہربانی سے اس روز ہم سب کو چھٹی ضرور عطا ہوتی ہے۔ معلوم نہیں آپ کے ہاں کیا دستور ہے؟

(بشکریہ ماہ نو)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

میاں حماد مرتضیٰ

سود اور قرآن کا معاشی نظام

سود قومی آمدنی کا وہ حصہ ہے جو سرمائے کے استعمال کے معاوضے کے طور پر دیا جاتا ہے۔ سود اور مدت دو لازم و ملزوم عناصر ہیں۔ تمام مذہبوں اور دنیا کے دانشوروں نے سود کی مذمت کی ہے' اسے ناجائز ٹھہرایا ہے اور صحت مند اور ترقی پذیر معاشرے کی راہ میں سنگ گراں قرار دیا ہے کیونکہ اس سے معاشرے کے افراد میں خود غرضانہ ذہنیت اور دوسری بہت سی گھٹیا صفات پیدا ہوتی ہیں۔ ان کے اعلیٰ اخلاقی اور انسانی جذبات پر خود غرضی اور سنگدلی کا خول چڑھ جاتا ہے۔ سود کا لین دین ہر پہلو سے انفرادی اور اجتماعی طور پر سماج کے لئے بہت زیادہ نقصانات کا باعث بنتا ہے۔ قرآن کریم کی رو سے ربو یعنی سود کی جامع تعریف سورۃ البقرہ آیت نمبر 279 میں موجود ہے۔

وان تبتم فلکم رءوس اموالکم

اگر تم توبہ کرو تو تمہارے لئے تمہارا راس المال ہے

مندرجہ بالا آیت میں کہا ہے کہ اگر تم توبہ کرو یعنی ربوٰ (سود) لینے سے باز آجاؤ تو تم اپنا اصل زر واپس لے سکتے ہو۔ اصل زر واپس لینے سے مقروض پر ظلم نہ ہو گا۔ اصل زر کے ساتھ کچھ زیادہ لینا نہ صرف ظلم ہو گا بلکہ قرآن کی رو سے حرام تصور ہو گا۔ اصل سوال یہ ہے کہ بغیر محنت (Labour) کے سرمایہ (Capital) کا معاوضہ لیا جا سکتا ہے؟ محنت کی تعریف ڈاکٹر مارشل یوں کرتے ہیں۔

"کسی انسان کی وہ جسمانی اور دماغی کدو کاوش جو کام سے براہ راست مسرت حاصل کرنے کے علاوہ کلی یا جزوی طور پر کوئی چیز کمانے کی خاطر کی جائے' محنت کہلاتی ہے۔"

معاشیات کی زبان میں محنت سے مراد انسان کی ہر وہ جسمانی یا

دماغی کوشش ہے جو کسی مادی صلے اور فائدے کے لئے کی جائے۔

پروفیسر کینز محنت کی تعریف اس طرح کرتے ہیں۔

"کہ محنت ایسی ذہنی یا جسمانی کاوش کا نام ہے۔ جو تفریح طبع کی بجائے معاوضے کے لئے کی گئی ہو۔" آدم سمتھ سرمایہ کی تعریف یوں کرتے ہیں۔

"سرمایہ انسان کی دولت کا وہ حصہ ہے جس سے مزید آمدنی حاصل کی جائے۔"

قرآن کا فیصلہ ہے کہ **لیس للانسان الاماسعی** (53/39) انسان صرف اپنی محنت کے معاوضہ کا حقدار ہے۔ محنت کے بغیر محض سرمایہ کا معاوضہ کسی شکل میں بھی نہیں لیا جا سکتا۔ عطیہ صدقہ زکوۃ کو اس میں شمار نہیں کیا جا سکتا حالانکہ ان میں نہ تو محنت کرنی پڑتی ہے اور نہ سرمایہ لگانا پڑتا ہے مگر چونکہ یہ چیزیں واپسی کے خیال سے نہیں دی جاتیں' کسی ضرورت مند کو اس کا حق سمجھ کر دی جاتیں ہیں' اس لئے لین دین میں شمار نہیں کی جا سکتیں۔ ان کی حیثیت چونکہ حق کی ہو گی اس لئے نہ دینے والے کے دل میں احساس برتری (Superiority Complex) پیدا ہو گا نہ لینے والے کے دل میں احساس کمتری (Inferiority Complex) مثلاً" خیرات لینے والا ذلت

محسوس کرتا ہے اور دینے والا اپنے آپ کو اس سے افضل خیال کرتا ہے' لیکن اسلام چونکہ دولت کو انفرادی ملکیت تسلیم نہیں کرتا اور نہ ہی دولت پر کسی کی اجارہ داری (Monoply) برداشت کرتا ہے اس لئے اسلامی حکومت کا فریضہ ہے کہ وہ ہر ضرورت مند کی ضرورت کا خیال رکھے۔

فی اموالھم حق معلوم للسّائل والمحروم
(70/24-25)

ان کے مال میں ضرورت مندوں کا ایسا حق ہے جس کا سب کو علم ہے۔ ضرورت مندوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو یا تو محنت کرنے سے معذور ہوں یا جن کی محنت کا ماحصل ان کی ضروریات پوری کرنے سے قاصر ہو۔ ایسے قرضوں کو فروغ دیا جائے جن پر زیادتی نہ لی جائے یعنی سود وغیرہ نہ لیا جائے صرف اصل زر قابل واپسی رہے اس کے متعلق کہا گیا ہے کہ اگر مقروض تنگ دست ہو تو اسے مہلت دو تاکہ وہ سہولت سے قرض کی واپسی کر سکے اور اگر تم اسے بالکل ہی معاف کر دو تو یہ تمہارے لئے بہت ہی اچھا ہے (2/280)

خدا نے سود کو حرام کیا اور تجارت کو حلال (القرآن)

بیع (تجارت) میں انسان (Risk) لیتا ہے یعنی نفع اور نقصان دونوں کا احتمال ہوتا ہے اور ربو میں (Risk) نہیں ہوتا مگر کسی آمدن کو جائز حلال کرنے کے لئے Risk کی شرط ٹھیک نہیں کیونکہ ناجائز کام اکثر (Risk) کی بنیاد پر کئے جاتے ہیں۔ بیع اور ربوٰ میں فرق وہی ہے جو اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔ بیع میں اصل اور محنت کا معاوضہ ملتا ہے جب کہ ربوٰ میں صرف اصل زر کا معاوضہ ملتا ہے۔ محنت کا معاوضہ حلال ہے اور راس المال کا معاوضہ حرام۔

سود کی بدولت سماج میں ایک ایسا طبقہ پیدا ہو جاتا ہے جو اپنی ذہنی اور جسمانی صلاحیتوں کو استعمال میں لا کر ملکی ترقی میں مددگار بننے کی بجائے اپاہج ہو کر بیٹھ جاتا ہے اور محض سود کی کمائی پر گزر اوقات کرنے لگتا ہے۔ وقت کے ساتھ اس طبقے کی دولت میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ قومی دولت کا زیادہ حصہ ان کی تحویل میں چلا جاتا ہے اور عوام الناس کی اکثریت بنیادی ضروریات سے بھی محروم ہو جاتی ہے (Ericgill) اپنی مشہور کتاب (Money and Monals) میں لکھتا ہے۔

" ہمیں کارخانوں میں انسانوں کی ضرورت نہیں' مشینیں ان سے بہتر ہیں' ان کی ایجاد سے انسانی محنت میں بڑی بچت ہو جاتی ہے لہٰذا ہمیں مشین کو نہیں انسانوں کو ختم کرنا چاہیے یہ انسان جنہیں ہم دنیا سے مٹا دینے کے خواہش مند ہیں وہ انسان ہیں جو کارخانوں میں کام کرتے ہیں نہ کہ وہ انسان جو گلی محلوں میں بستے ہیں۔ یہ انسان تو ہمارے ساتھی ہیں ہمارے دوست ہیں کیونکہ ہمارا مال خریدتے ہیں۔ آج کل سب سے اہم مسئلہ یہ ہے کہ چیزوں کے پیدا کرنے میں انسانی محنت میں کس طرح زیادہ سے زیادہ بچت کی جائے اور اس کے برعکس ان چیزوں کے استعمال کرنے والوں کی تعداد میں کس طرح زیادہ سے زیادہ اضافہ کیا جائے اور کس طرح ان کی خریدنے کی قوت کو بڑھایا جائے۔ یہی ہمارا بنیادی مسئلہ ہے' جڑ بھی یہی ہے اور شاخ بھی یہی ہے "

آپ اندازہ لگائیں کہ مزدور طبقہ کو بنیادی ضروریات سے ہی محروم نہیں کر دیا جاتا بلکہ نظام سرمایہ داری میں اس کی نسل تک ختم کر دینے کے متعلق سوچا جاتا ہے۔ در حقیقت تمام معاشرتی برائیاں مثلاً" سود' چور بازاری' ملاوٹ' سمگلنگ وغیرہ سرمایہ داری (Capitalism) کی پیداوار ہیں زمانہ قدیم میں جب انسان " دولت " اور " ملکیت " کے چکر سے مبرا تھا اس وقت وہ مل جل کر رہتا تھا اور اپنی ضرورت سے زیادہ دوسرے کی ضرورت کو مدنظر رکھتا تھا۔

مارکس اپنی کتاب (Man, Nature and Time) میں لکھتا ہے۔

" یہ خیال کہ زمین کسی فرد کی ملکیت ہو سکتی ہے

ابتدائی ذہن انسانی میں قطعاً" موجود نہیں تھا۔ یہ کہا جاتا ہے کہ قدیم زبان میں "ملکیت" کے لئے کوئی لفظ ہی نہ تھا وہ صرف " تمتع کا لفظ جانتے تھے۔ ان کے نزدیک زمین افراد کی ملکیت میں نہیں ہوتی تھی۔ بلکہ تمتع کے لئے ہوتی تھی۔ جب کسی نے اس سے فائدہ اٹھالیا وہ پھر قبیلہ کی ملکیت میں چلی گئی

(Page 153)

اب دیکھئے قرآن زمین کی ملکیت کے بارے کیا کہتا ہے۔

انا نحن نرث الارض ومن علیھا و الینا یرجعون (19/40)

قرآن کہتا ہے کہ زمین اور اس میں جو کچھ بھی ہے وہ خدا کی ملکیت ہے۔ نظام سرمایہ داری میں سب سے بڑی بات یہی ہے کہ ذرائع پیداوار اس آدمی کی ملکیت ہوں گے جس کے پاس اسے خریدنے کی ہمت ہو گی اس کے بعد اس کی اجارہ داری ہو جائے گی اور وہ جس طرح چاہے گا بروئے کار لائے گا اور اس طرح دولت سرمایہ داروں کی تجوری میں جمع ہوتی چلی جائے گی اور آہستہ آہستہ روپے کی گردش بند ہوتی چلی جائے گی۔

اسلام دولت کی گردش کسی بھی شکل میں نہیں روکنے دیتا وہ کہتا ہے کہ دولت معاشرہ میں اس طرح گردش کرتی رہے جس طرح انسانی جسم میں خون' جب سرمایہ دار کے پاس دولت جمع ہو جائے گی تو وہ اس دولت سے مزید دولت پیدا کرنے کی کوشش کرے گا اس طرح معاشرہ میں ناہمواری پیدا ہوتی چلی جائے گی۔ زمانہ قدیم میں عربوں کے ہاں سود لینے کے کیا طریقے تھے ذرا ملاحظہ فرمائیں۔

" جاہلیت میں ثقیف کے سود لینے کا طریقہ یہ تھا کہ کسی شخص کو کسی مدت کے لئے قرضہ دیتے تھے جب مدت ادائیگی آتی تو قرض خواہ مقروض سے کہتا یا تو مجھے میری رقم ادا کر یا زیادتی دے۔ اگر مقروض کے پاس مال ہوتا تو دے دیتا وگرنہ ایک سال اور آگے بڑھا دیتا۔ چنانچہ اگر ایک سال والی اونٹنی واجب الادا ہوتی تو دوسرے سال دو سال والی اونٹنی طلب کرتا جس کی عمر تین سال ہوتی پھر بھی اگر ادائیگی نہ ہوتی تو ایسا اونٹ طلب کرتا جس کی عمر چار سال ختم ہو کر پانچواں سال شروع ہوا ہو پس اسی طرح یہ سلسلہ چلتا۔ "

جامع البیان تفسیر طبری جلد نمبر 4 صفحہ 55-

یہ تھا زمانہ قدیم میں عربوں کے ہاں سود لینے کا طریقہ جو حالات کے ساتھ ساتھ بدلتا چلا گیا۔ قرآن نہ صرف ربٰو کو حرام قرار دیتا ہے بلکہ ایسا جرم اسلامی نظام کے مدمقابل ایک باغی نظام قرار دیتا ہے۔ قرآن یہاں تک کہتا ہے کہ ایسا نظام قائم کرنے والوں سے کہہ دو کہ اگر وہ اس سے باز نہ آئے تو ہماری طرف سے اعلان جنگ سمجھیں 279-2/275' کیونکہ ایسا کرنے سے سارا نظام درہم برہم ہو جائے گا یعنی معاشرہ گروہوں میں تقسیم ہو جائے گا۔ ایک طبقہ تو وہ ہو گا جس کے پاس دولت فراوانی سے آتی جائے گی اور ایک طبقہ وہ ہو گا جو ابتدائی ضروریات کے لئے بھی دوسروں کا محتاج ہو گا۔

1- سرمایہ دار طبقہ 2- مزدور طبقہ 3- نادار طبقہ

سرمایہ دار طبقہ سے مراد وہ لوگ ہوں گے جن کے پاس صرف روپیہ ہو گا اور وہ کسی کام پر صرف روپیہ (Invest) کریں گے۔ وہ نہ تو محنت کریں گے نہ کوئی کام بلکہ صرف روپیہ لگانے پر معقول معاوضہ لیتے رہیں گے اور زندگی کی تمام تر آسائشیں انہی کے لئے ہوں گی جسے یہ لوگ صرف اپنا حق خیال کریں گے۔ یہ نظریہ خود غرضی پر مبنی ہے اور انتہائی خود غرضی تک پہنچ جاتا ہے۔ ان کے ہاں تجارت کے لئے سود اور سود کے لئے تجارت لازم و ملزوم ہیں۔ کسی کو دوسرے کے بغیر فروغ نہیں ہو سکتا۔ جب قومی دولت اس طبقہ کے پاس جمع ہونی شروع ہو جائے گی تو یہ طبقہ

دولت سے ہر چیز خریدتا چلا جائے گا یہاں تک کہ رزق کے سرچشمے اس طبقہ کے قبضہ میں چلے جائیں گے اجارہ داری قائم ہونے کے بعد یہ لوگ اپنی من مانی کریں گے۔ قرآن نے قارون کو نظام سرمایہ داری کے نمائندہ کی حیثیت سے پیش کیا جب اس پر اعتراض کیا جاتا کہ اس نے دولت سے خزانے بھر رکھے ہیں اور غریب عوام بھوکے مر رہے ہیں۔ وہ جواب میں کہتا۔

انما اوتیته علی علم عندی (28/78)

میں نے جو کچھ کمایا ہے اپنی ہنرمندی سے کمایا ہے۔

یہ وہ دلیل تھی جو وہ پیش کرتا' جو ہر سرمایہ دار پیش کرتا ہے کہ میں نے اگر دولت جمع کی ہے تو اپنی عقل و ذہانت سے۔ اب میں کسی دوسرے کو اس میں شریک کیوں بناؤں یعنی عقل و ذہانت اس کے نزدیک اس کی اپنی پیداوار ہے' لیکن اسلام کے نزدیک عقل و ذہانت کسی کو وراثت میں نہیں ملتی۔ یہی وہ طبقہ ہے جو معاشرے کا سارا نظام درہم برہم کرنے کی کوشش کرتا ہے یعنی آہستہ آہستہ دولت اکٹھی کرتا چلا جاتا ہے۔

مزدور طبقہ سے مراد وہ لوگ ہوں گے جن کے پاس روپیہ نہ ہو گا بلکہ صرف محنت ہو گی اور وہ رات دن کام کر کے صرف اپنی محنت کا معاوضہ لیں گے جو بہت ہی قلیل ہو گا۔ اسے اپنی زندگی کی تمام تر ضروریات اس میں پوری کرنا ہوں گی۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جب آنکھ کھلتی ہے تو معاشی فکر ہوتی ہے پھر جب ذرا بڑے ہو جاتے ہیں تو بیوی بچوں کی فکر یعنی دنیا کی تمام فکر اسی طبقہ کے حصہ میں آتی ہے یہی وہ طبقہ ہے جسے (Erc. Gill) ختم کر دینے کا خواہش مند ہے۔

تیسرا طبقہ وہ لوگ ہوں گے جو کسی وجہ سے کام کاج نہ کر سکیں یعنی معذور وغیرہ یہ لوگ صرف زکوٰۃ' صدقہ وغیرہ پر گزر اوقات کریں گے یعنی وہ روپیہ جو سرمایہ دار طبقہ اپنے مال کو حلال طیب کرنے کے لئے دے گا اور اپنی جان کی حفاظت کے لئے اللہ کی راہ میں دے گا یہ لوگ صرف اسی پر گزارہ کریں گے۔ سرمایہ دار طبقہ یا معاشرہ کو اس سے غرض نہ ہو گی کہ آیا ان لوگوں کی ضروریات زندگی پوری ہوں گی یا نہیں؟ وہ تو صرف ڈھائی فیصد سالانہ خیرات اسے دے گا۔ یہ وہ لوگ ہیں جو جہنم کی سی زندگی بسر کرتے ہیں۔ جس طرح ہندوؤں کے ہاں اچھوتوں کو ذلت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا اسی طرح ہمارے ہاں اس طبقہ کو خیال کیا جاتا ہے۔ قرآن اس کے متعلق کہتا ہے اگر تم نے ان مسکینوں اور محتاجوں کے رزق کا انتظام نہ کیا تو یاد رکھو! تم پر جہنم کا عذاب نازل ہو جائے گا 34/69' 10-76/8 یعنی یہ معاشرے کا فرض ہے کہ وہ ان لوگوں کی تمام تر ضروریات کا خیال رکھے۔

اسلام جس معاشی نظام کو پیش کرتا ہے اس میں رزق کے سرچشمے کسی کی ذاتی ملکیت نہیں ہوں گے بلکہ اسلامی مملکت کے قبضہ میں ہوں گے اس طرح نہ تو سرمایہ دار طبقہ پیدا ہو گا اور نہ کوئی آدمی رزق کے مسئلے میں کسی کا محتاج ہو گا بلکہ ہر آدمی کو اس کی ضرورت کے مطابق رزق تقسیم کیا جائے گا نہ صرف یہ بلکہ معاشرہ میں دیگر جرائم بھی کافی حد تک رک جائیں گے۔ مثال کے طور پر ایک مزدور آدمی صبح سے شام تک محنت کرتا ہے اور 100 روپے یومیہ لیتا ہے۔ اس میں وہ بمشکل اپنے بیوی بچوں کی پرورش کرتا ہے۔ پھر جب کبھی وہ بیمار ہو گا تب وہ کہاں جائے گا؟ وہ تو پھر چوری کرے گا اگر اسے ابتدائی ضروریات زندگی فراہم کر دی جائیں اور پھر جب کبھی وہ آفت ارضی و سماوی کی گرفت میں آئے اس وقت بھی اس کا ساتھ دیا جائے تو ظاہر ہے وہ کبھی چوری نہیں کرے گا۔

حضرت اسلم سے روایت ہے کہ۔

ایک دن حضرت عمرؓ کے ساتھ بازار گیا تو وہاں ایک نوجوان لڑکی آپ سے ملی اور کہنے لگی کہ امیر المومنین! میرا شوہر مر گیا اور چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑ گیا۔ ان کے لئے

کھانے پینے کا کوئی سامان نہیں میں حفاف بن ایما الغفاری کی بیٹی ہوں جو حدیبیہ میں رسولؐ کے ساتھ تھے۔ آپ اسکی باتیں خاموشی سے سنتے رہے۔ گھر آئے اور ایک تومند و توانا اونٹ پر سامان رسد اور دیگر اشیائے ضروریہ لاد کر اس کے پاس لے گئے اور کہا۔

بیٹی! اسے ہنکا لے جا۔ اب تجھے خود آنے کی ضرورت نہیں پڑے گی تمام ضروری سامان تم تک خود بخود پہنچ جایا کرے گا۔ ایک شخص نے دیکھا تو کہا۔ امیرالمومنین آپ نے اس لڑکی کو بہت زیادہ دے دیا۔ فرمایا کہ تجھے کیا خبر کہ وہ کس باپ کی بیٹی اور کس بھائی کی بہن ہے؟ یہ میں جانتا ہوں۔ یہ تھی عہد فاروقیؓ کی ایک مثال۔

اب ذرا آگے چلیں۔

زمین کا ٹھیکہ وغیرہ یا بٹائی

قرآن کہتا ہے کہ زمین اور اس میں جو کچھ ہے خدا کی ملکیت ہے' انسان اسے اپنے استعمال میں لا سکتا ہے لیکن اپنی اجارہ داری قائم نہیں کر سکتا کیونکہ زمین سرچشمہ رزق ہے' نوع انسانی اسے اجتماعی استعمال میں لا سکتی ہے یعنی زمین اسلامی مملکت کے قبضہ میں رہے گی اور اس سے جو اناج پیدا ہو گا اس کی تقسیم اس حکومت کا فریضہ ہو گا کہ وہ اس کی تقسیم اس طریقہ سے کرے گی --- کہ کوئی آدمی زیست سے محروم نہ رہے مزارعت اور بٹائی وغیرہ' بھی اسلام کی رو سے ناجائز قرار دیدی گئی۔

حضرت ابن ابی نعیمؓ سے روایت ہے کہ

رافع بن خدیجؓ نے ایک زمین پر کاشت کی۔ وہ اسے پانی دے رہے تھے کہ حضورؐ کا گزر ادھر سے ہوا آپ نے دریافت کیا کہ یہ زمین کس کی ہے اور کھیتی کس کی؟ رافعؓ نے کہا کہ یہ کھیتی میرے بیج اور میری محنت کا نتیجہ ہے اس کا ایک حصہ میرا ہو گا ایک حصہ فلاں خاندان کا جس کی یہ زمین ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ تم دونوں سودی کاروبار کر رہے ہو۔ زمین صاحب زمین کو واپس کر دو اور اپنا خرچہ اس سے وصول کر لو (ابو داؤد)

اگر صاحب زمین خود کاشت کرے۔ تب بھی یہ اس پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ اچھے طریقے سے کاشت کرے جس سے فصل زیادہ سے زیادہ ہو سکے۔ اسے اس بات کی اجازت بھی نہ ہو گی کہ وہ اسے بے آباد کر دے کیونکہ اس طرح نوع انسانی کا نقصان ہو گا۔

" مولانا جامی نے نفحات الانس میں شیخ علاؤالدین سمنانیؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ جو شخص زمین کا ایسا قطعہ رکھتا ہے جس سے ہزار من غلہ حاصل ہو سکتا ہے اگر اس کی سستی اور کوتاہی سے اس زمین سے نو سو من غلہ حاصل ہوا اور اس وجہ سے مخلوق خدا سو من غلہ سے محروم رہ گئی تو قیامت کے دن اس سے اس کی باز پرس ہو گی۔ "

تمام معاشی وسائل کی ام (ماں) اراضی ہی ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ بتاؤ اراضی کی تخلیق اور اس کے ذریعہ رزق ہونے میں تمہاری کیا ہنرمندی ہے؟

افریتم ماتحرثون (56/63) تم اتنا ہی کرتے ہو نا کہ ہل چلا کر بیج ڈال دیتے ہو۔ اس کے بعد کیا یہ قوت بھی تمہیں حاصل ہے کہ بیج کو اگا کر اس کا پودا بنا دو؟ یہی صورت پانی حرارت روشنی' ہوا' معدنیات' موسموں کی ہے کہ انسان کی پہنچ سے باہر ہے۔ انسان انہیں اپنے استعمال میں لے آتا ہے اس میں اس کی کوئی ہنرمندی نہیں یہ سب کچھ خدا کے قانون کا نتیجہ ہے **افریتم الماء الذی تشربون** (56/68) کیا اس پانی کو تم بادلوں سے برساتے ہو یا ہمارا قانون برساتا ہے سورۃ ق میں ہے کہ ہم نے زمین کو اس طرح پھیلا دیا اور اس میں پہاڑ پیدا کر دیئے اور اس نظام زراعت و آب رسانی کے ذریعے طرح طرح کی خوشنما چیزیں اگا دیں اس نظام میں ہر شخص کے لئے جو توجہات کو

اس طرف منعطف کرے گا سامان بصیرت تذکیر ہے (50/7-9) پھر ہم نے بادلوں سے مینہ برسایا جس سے بڑے بڑے باغات اگائے اور کھیتی بھی نیز کھجوروں کے تہ بہ تہ خوشے یہ سب کچھ انسانوں کی پرورش کے لئے ہے **و رزقا للعباد** (50/11)

ان حقائق کو سامنے لانے کے بعد قرآن ایک سوال کرتا ہے اور وہ یہ کہ بتاؤ کہ یہ تمام وسائل کس کے پیدا کردہ ہیں؟ **امن ھذا الذی یرزقکم** (67/21) اور اس کے بعد کہتا ہے کہ بتاؤ کہ اگر وہ اس رزق کو روک لے تو ہنرمندی کیا کرے۔

ان امسک رزقہ (67/21)

سامان رزق تو اس نے پیدا کیا۔ ابتدائی مراحل سے کھیتی پک جانے تک تمام قدرت تو خدا نے عطا کی۔ لیکن جب کھیتی پک گئی تو انسان نے اس کا ذخیرہ (Stock) کرنا شروع کر دیا تاکہ بلیک مارکیٹ (Black Market) میں فروخت کر کے زیادہ پیسے اکٹھے کرے اور اس طرح دولت اکٹھی کرتا چلا جائے۔

زمین کی ملکیت کے متعلق قرآن کی اتنی وضاحت کے باوجود سید ابو الاعلیٰ مودودی اپنی کتاب مسئلہ ملکیت زمین میں لکھتے ہیں۔

"ذرائع پیداوار کو قومی ملکیت بنانے کا تخیل بنیادی طور پر اسلام کے نقطہ نظر کی ضد ہے لہٰذا اگر ہمیں اسلامی اصولوں پر زمین کے بندوبست کی اصلاح کرنی ہو تو ایسی تمام تجویزوں کو پہلے قدم ہی پر لپیٹ کر رکھ دینا چاہیے جن کی بنیادیں قومی ملکیت کا نظریہ اصول یا نصب العین کی حیثیت سے موجود ہو' بات صرف اتنی ہی نہیں ہے کہ اسلام زبردستی مالکان زمین کی ملکیتیں چھین لینے کی اجازت نہیں دیتا اور بات صرف اتنی بھی نہیں ہے کہ وہ ایسے قوانین بنانے کی اجازت نہیں دیتا جن کے ذریعہ سے کسی شخص یا گروہ کو اپنی ملکیت حکومت کے ہاتھ بیچنے پر مجبور کیا جا سکے بلکہ درحقیقت اسلامی نظریہ تمدن و اجتماع سرے سے اس تخیل کا مخالف ہے کہ زمین اور دوسرے ذرائع پیداوار حکومت کی ملکیت ہوں اور پوری سوسائٹی اس مختصر سے حکمران گروہ کی غلام بن کر رہ جائے جو ان ذرائع پر متصرف ہو جن ہاتھوں میں فوج اور پولیس اور عدالت اور قانون سازی کی طاقتیں ہیں انہی میں اگر سوداگری اور کارخانہ داری اور زمینداری بھی سمٹ کر جمع ہو جائے تو اس میں ایک ایسا نظام زندگی پیدا ہوتا ہے جس سے بڑھ کر انسانیت کش نظام آج تک شیطان ایجاد نہیں کر سکا اس لئے یہ خیال کرنا صحیح نہیں ہے کہ اگر غاصبانہ طریقوں سے زمین پر قبضہ نہ کیا جائے بلکہ پورے پورے معاوضے دے کر حکومت تمام زمینوں کو ان کے مالکوں سے برضا رغبت خریدے تو اسلامی نقطہ نظر سے اس میں کوئی قباحت نہیں۔ جزیات شرع کے لحاظ سے چاہے اس میں قباحت نہ ہو مگر کلیات شرع کے لحاظ سے یہ تخیل ہی غلط ہے کہ عدل اجتماعی کی خاطر زمین اور دوسرے ذرائع پیداوار کو انفرادی ملکیتوں سے نکال کر قومی ملکیت بنا دیا جائے۔ یہ انصاف کا اشتراکی تصور ہے نہ کہ اسلامی تصور اور اس تصور کی بنیاد پر ایک اشتراکی معاشرہ پیدا ہوتا ہے نہ کہ اسلامی معاشرہ' کیونکہ اس کے لئے تو یہ نہایت ضروری ہے کہ اس کے اگر سب نہیں تو اکثر افراد اپنی معیشت میں آزاد ہوں اور اس غرض کے لئے ناگزیر ہے کہ ذرائع پیداور افراد کے ہاتھوں میں رہیں۔ یعنی مودودی صاحب کے نزدیک انفرادی ملکیت کا تصور ہی اسلامی نظام ہے کہ ذرائع پیداوار سرمایہ دار طبقہ (وہ لوگ جو کوئی چیز خریدنے کی صلاحیت رکھتے ہوں) کے قبضہ میں رہیں گے جس طرح نظام سرمایہ داری میں ہوتا ہے وہ کہتے ہیں کہ اگر ذرائع پیداوار حکومت کے ہاتھ میں ہوں گے تو انسانیت کش نظام ہو گا۔ یعنی قرآن جس معاشی نظام کا تصور پیش کرتا ہے وہ ان کے نزدیک شیطانی ایجاد ہو گی (معاذ

اللہ۔ معاذ اللہ) پھر اگر مالکوں کی رضامندی سے انہیں منہ مانگے دام دے کر وہ زمین قبضہ میں لے لی جائے تو اسلامی نقطہ نظر سے ٹھیک ہو گا پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ رقم کثیر جو عوام کو دی جائے گی وہ کہاں جائے گی؟ لوگ اسے کہاں استعمال کریں گے؟

یہی نظام سرمایہ داری کی طرف سب سے پہلا قدم ہو گا۔

قرآن کہتا ہے کہ

للہ ما فی السموات و ما فی الارض

(آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ ہے اللہ کا ہے)

یہ خیال کہ زمین چونکہ' انفرادی ملکیت ہو گی اور کس طرح قومی ملکیت میں جائے گی۔ قرآن حضرت یوسف کے متعلق بتاتا ہے کہ جب سر زمین مصر پر قحط پڑا تو بادشاہ نے معیشت حضرت یوسف کے ہاتھ میں دے دی پھر انہوں نے انتظام اس احسن طریقہ سے چلایا کہ وہ لوگ بھوک سے بچ گئے

اسلام کے معاشی نظام کو سمجھنے کے لئے نظام سرمایہ داری پر غور کرنا از حد ضروری ہے کیونکہ تمام معاشرتی برائیوں کی اصل وجہ نظام سرمایہ داری ہے یعنی جب انسان کو دولت کی ہوس ہو جائے گی۔ اس کا مقصد صرف دولت اکٹھی کرنا ہو گا۔ وہ غریبوں کی حق تلفی کرے گا۔ چور بازاری کرے گا ملاوٹ کرے گا اور ہر وہ کام جو بنی نوع انسان کے لئے نقصان دہ ہو گا کرتا چلا جائے گا یعنی دوسرے الفاظ میں اس آدمی کے ہاتھوں سے انسانیت کا فائدہ ناممکن ہے۔ جب کہ اسلام جو نظام پیش کرتا ہے اس کی ابتداء سے انتہا تک نوع انسانی کی فلاح ہے وہ نوع انسانی کے علاوہ ہر ذی حیات کے رزق کی ذمہ داری اپنے اوپر لیتا ہے۔

نحن نرزقکم و ایاھم (6/151)

ہم تمہارے رزق کے بھی ذمہ دار ہیں اور تمہاری اولاد کے رزق کے بھی۔

قرآنی نظام کی ذمہ داریوں کا دائرہ اپنے افراد کی نشو و نما تک محدود نہیں رہتا۔ کیونکہ یہ اس خدا کا تجویز کردہ نظام ہے جو رب العالمین (1/2) ہے یعنی تمام اقوام کو نشو و نما دینے والا۔ وہ نوع انسانی کے رزق کی ذمہ داری اپنے اوپر لیتا ہے خواہ وہ مسلمان ہوں یا غیر مسلم بلا لحاظ مذہب و ملت اور بلا تفریق رنگ' نسل' وہ رزق دیتا ہے۔

قرآن کا ایک اور عظیم القدر اعلان کہ

وما من دابۃ فی الارض الا علی اللہ رزقھا (11/6)

روئے زمین پر کوئی چلنے والا ایسا نہیں جس کے رزق کی ذمہ داری خدا پر نہ ہو۔

قرآن نے اپنے اس اعلان میں **دابۃ** کا لفظ استعمال کیا ہے جو انسانوں اور حیوانوں سب کو اپنے اندر شامل کر لیتا ہے۔ اس لئے تمام جانداروں کے رزق کی ذمہ داری نظام ربوبیت کے سر پر عائد ہو جاتی ہے اور وہ اس ذمہ داری کو پورا کرتا ہے۔

وکاین من دابۃ لا تحمل رزقھا۔ اللہ یرزقھا ایاکم ۔۔ وھو السمیع العلیم (29/60)

اور زمین پر چلنے والے (حیوانات) کتنے ہی ایسے ہیں جو اپنا رزق اٹھائے نہیں پھرتے اللہ انہیں بھی رزق دیتا ہے تمہیں بھی' وہ سب کچھ سننے والا اور جاننے والا ہے۔

یعنی وہ ہر ذی حیات کے رزق کی ذمہ داری قبول کرتا ہے اور ایسے ذرائع پیدا کر دیتا ہے کہ رزق فراوانی سے مل سکے۔ جب انسان اپنی ضرورت پوری کر لیتا ہے تو پھر وہ ذخیرہ کرنا شروع کر دیتا ہے وہ ذخیرہ اس نیت سے نہیں کرتا کہ جب کبھی ان اشیاء کی ضرورت نوع انسانی کو ہو گی پھر وہ ان اشیاء کو انسان کے لئے صرف کرے گا بلکہ وہ اس نیت سے ذخیرہ کرتا ہے کہ جب کبھی یہ چیزیں کم ہو گئیں تو پھر وہ انہیں

(Black Market) میں فروخت کرے گا اور زیادہ سے زیادہ روپیہ کمائے گا وہ اس دولت کو اکٹھی کرنا شروع کر دے گا۔ روپیہ کے بعد پھر وہ سونا' چاندی اکٹھی کرنا شروع کر دے گا۔ قرآن ان لوگوں کے متعلق کہتا ہے۔

والذین یکنزون الذھب والفضة ولا ینفقونھا فی سبیل اللّٰہ فبشرھم بعذاب الیم
(9/34)

جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ (نوع انسانی کی بہبود) کے لئے کھلا نہیں رکھتے تو انہیں دردناک عذاب کی اطلاع دے دے جس دن دھایت کے ان سکوں کو آگ میں تپایا جائے گا اور پھر ان کی پیشانیوں پہلوؤں اور پیٹھ کو داغ دیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ یہ ہے وہ دولت جسے تم اپنے لئے جمع کرتے تھے یہ ان لوگوں کا انجام ہے جو قرآن بیان کرتا ہے۔

کسان صرف اتنا کرتا ہے کہ زمین میں ہل چلایا اور بیج زمین میں پھینک کر چلا آتا ہے' اس کے متعلق وہ پوچھتا ہے کیا تم میں اتنی طاقت ہے کہ تم اس بیج سے پودا پیدا کر دو۔ وہ کہتا ہے کہ یہ سارا عمل ہمارے قانون کے تحت ہوتا ہے۔ روشنی' حرارت' ہوا' پانی ہم اسے دیتے ہیں' بیج سے کونپل پھوٹتی ہے پھر ہم اس کی دیکھ بھال کرتے رہتے ہو۔ پھر آہستہ آہستہ وہ پودا بن جاتا ہے۔

اقبالؒ نے اس مضمون کو ان حسین الفاظ میں بیان کیا ہے۔

پالتا ہے بیج کو مٹی کی تاریکی میں کون
کون دریاؤں کی موجوں سے اٹھاتا ہے سحاب
کون لایا کھینچ کر پچھم سے باد سازگار
خاک یہ کس کی ہے کس کا ہے یہ نور آفتاب
کس نے بھر دی موتیوں سے خوشہ گندم کی جیب
موسموں کو کس نے سکھلائی ہے خوئے انقلاب
وہ خدایا ! یہ زمین تیری نہیں تیری نہیں
تیرے آبا کی نہیں تیری نہیں میری نہیں
بال جبریل صفحہ 141

یعنی وہ سارا عمل جو بیج مٹی میں دبانے سے خوشہ بننے تک ہوا ہے وہ اللہ تعالیٰ کرتا ہے پھر جب فصل تیار ہو جاتی ہے تو انسان اکیلا مالک بن جاتا ہے۔ قرآن کہتا ہے اگر خدا رزق کا پیدا کرنا بند کر دے تو وہ کون سی قوت ہے جو تمہیں سامان زندگی دے سکے (67/21)

اگر پیداوار زیادہ ہو جائے تو سرمایہ دار کا منافع کم رہ جاتا ہے اس کا اندازہ اس سے لگائیے کہ جب برازیل میں "کافی" زیادہ مقدار میں پیدا ہونے لگ گئی تو وہاں کے سرمایہ داروں نے مل بیٹھ کر مشورہ کیا کہ اس زائد پیداوار کو کیا کیا جائے؟ انہوں نے پہلے سوچا کہ اسے زمین میں دفن کر دیا جائے لیکن چالیس لاکھ بوریوں کو زمین میں دفن کرنے کے لئے کافی رقبہ درکار تھا اس لئے سوچا گیا کہ اسے سمندر میں غرق کر دیا جائے لیکن اس سے مچھلیوں کے تباہ ہونے کا خطرہ پیدا ہو گیا بالآخر طے یہ پایا کہ اسے جلا دیا جائے چونکہ اس کا جلانا بھی آسان نہیں ہوتا اس لئے اس کے لئے مٹی کے تیل کی ضرورت پڑی۔ چنانچہ اس پر تقریباً" دو لاکھ پونڈ کا تیل صرف کیا گیا اور یہ کچھ انہیں ہر سال کرنا پڑتا ہے تاکہ کافی کی قیمت نہ گر جائے۔

(Inside Latin America)

اسی طرح لور پول کی ایک بندرگاہ سے ایک سال قریباً" دس لاکھ سنگترے سمندر میں بہا دینے پڑے تاکہ رسد بڑھنے نہ پائے۔

اب آپ کو اندازہ ہو گیا کہ اجناس کی زیادہ پیداوار بھی سرمایہ دار سے برداشت نہیں ہوتی۔ حالانکہ کئی لاکھ ازان

ان چیزوں کو ترستے ہیں۔ سرمایہ دار طبقہ زیادہ پیداوار اس لئے برداشت نہیں کرتا کہ اجناس کی فروخت میں منافع کم نہ ہو جائے۔ چونکہ اس کے پاس کسی چیز کا (Stock) ہوتا ہے اور وہ صرف اسی نیت سے ذخیرہ کرتا ہے کہ منافع زیادہ سے زیادہ حاصل کر سکے اور جب کبھی وہ جنس زیادہ مقدار میں پیدا ہو جائے پھر وہ اسے مارکیٹ (Market) تک نہیں پہنچنے دیتا وہ اسے ہر قیمت پر روک دیتا ہے اس طرح مارکیٹ کی قیمت زیادہ ہو جاتی ہے اور وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ اس کا مقصد چونکہ زیادہ سے زیادہ دولت اکٹھی کرنا ہوتا ہے اس لئے اگر کسی مقام پر اسے اپنے مقصد کی کامیابی کے لئے سرمایہ لگانا بھی پڑے تو وہ گریز نہیں کرتا جس طرح سابقہ وقت میں "کافی" کو نذر آتش کرنے کے لئے تقریباً دو لاکھ پونڈ مالیت کا (Kerosrene-Oil) استعمال کیا گیا۔ آپ ذرا سوچیں کہ چالیس لاکھ "کافی" کی بوریوں کو صرف اسی لئے نذر آتش کر دیا گیا کہ پیداوار زیادہ ہو گئی تھی اور اگر اسے مارکیٹ میں بھیج دیا جاتا تو ظاہر ہے کہ کافی کی قیمت کم ہو جانی تھی۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون سی چیز ہے جو اسے ایسا کرنے سے روکتی ہے؟ یعنی نوع انسان کی فلاح سے روکتی ہے وہ ہے دولت کی "ہوس" جو اچھے یا برے جائز یا ناجائز کا امتیاز ختم کر دیتی ہے۔ اس طبقہ کو آنے والی کل کی فکر ہوتی ہے۔ وہ دولت اس لئے جمع کرتا ہے کہ اولاد کے کام آئے یا اگر کل کو حالات خراب ہو گئے تو کام آئے گی۔

وہ آنے والی کل کی "تدبیر" کرتا ہے۔

قرآن اس کے متعلق کہتا ہے۔

خدا تدبیر کرنے میں سب سے زیادہ تیز ہے۔ (10/21)

اور جب کبھی وہ اپنی گرفت میں لیتا ہے تو انسان کی سب تدبیریں دھری کی دھری رہ جاتی ہیں۔ بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ تمام احتیاطی تدبیریں الٹی ہو جاتی ہیں کیونکہ انسان کی موجودہ عقلی سطح ایک مخصوص حد تک سوچ سکتی ہے اس لئے آنے والی کل کی تدبیر میں ناکام رہ جاتا ہے۔

اس کے برعکس وہ کہتا ہے۔

اگر تم نے ان مسکینوں اور محتاجوں کے رزق کا انتظام نہ کیا تو یاد رکھو! تم پر جہنم کا عذاب مسلط ہو جائے گا۔ (10-8/76)

متقی اپنا مال دوسروں کی نشو و نما کے لئے دیتا ہے تو اس کی اپنی ذات کی نشو و نما ہوتی چلی جاتی ہے (9/103) وہ لوگ جو دوسروں پر اپنا مال اچھے ارادے سے خرچ کرتے ہیں قرآن کہتا ہے کہ ان کی نیکی کبھی رائیگاں نہیں جاتی وہ خدا کے ہاں اپنے اس عمل کا اجر ضرور پاتے ہیں اور اس دنیا میں بھی ان کا ضمیر مطمئن ہوتا ہے۔ بشرطیکہ یہ سارا کام کسی دکھاوے کے لئے نہ کریں بلکہ اپنا فرض سمجھ کر کریں۔ جس طرح جسم کی پرورش "لینے" سے ہوتی ہے اسی طرح ذات کی پرورش "دینے" سے۔ یہی قرآن کے معاشی نظام کا ستون ہے جس پر ساری عمارت کھڑی ہوتی ہے جس طرح انسان اپنے بچوں کی پرورش و تربیت بغیر معاوضہ کرتا ہے۔ حالانکہ وہی اولاد جوان ہو کر اس کے کنٹرول سے باہر ہو جاتی ہے اور اسے اس بات کا پتہ بھی ہوتا ہے یعنی اس کے شعور میں یہ بات ہوتی ہے لیکن پھر بھی وہ سب کچھ کرتا چلا جاتا ہے اسے اس بات کا لالچ نہیں ہوتا کہ کل کو اولاد اس کا بازو بنے گی نہ اسے اس بات کا خطرہ ہو گا کہ یہ اولاد کل کو اسے تنگ کرے گی۔ لیکن وہ ایک جذبے کے تحت سب کچھ کرتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ بچے پرورش کی عمر سے نکل کر جوان ہو جاتے ہیں اور اپنا رزق خود کمانے لگتے ہیں۔

جس طرح انسان اپنی اولاد کی نگہداشت کرتا ہے بالکل اسی طرح اگر وہ معاشرہ کے نادار افراد کا خیال کرے تو وہ زندگی کی بلندیوں پر پہنچ سکتا ہے۔

قرآن کہتا ہے کہ

آؤ تمہیں ایک ایسی تجارت کا پتہ بتائیں جو تمہیں تباہی سے بچالے۔ اللہ کی راہ میں مال و جان سے جہاد (61/10) قرآن بار بار کہتا ہے کہ یہ وہ تجارت ہے جس میں تمہیں نقصان کا قطعی احتمال نہیں ہو سکتا بس فائدہ ہی فائدہ ہے۔ وہ کہتا ہے کہ مومن اپنا مال و جان خدا کے ہاتھوں فروخت کر دیتے ہیں پھر خدا کے وہ تمام وعدے جو اس نے ان لوگوں کے ساتھ قرآن کریم میں کئے ہیں پورے کرتا ہے۔

خدا وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ (194/3-6/30-)

خدا کا وعدہ حق ہے اس سے زیادہ بات کا سچا کون ہے۔ (4/122)

بات اسلام کے معاشی نظام کی ہو رہی تھی۔ اسلام جس معاشی نظام کو پیش کرتا ہے اس میں سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ۔ ذرائع پیداوار و رزق کے سرچشمے، کسی کی ذاتی ملکیت نہیں ہوں گے بلکہ اس حکومت کے قبضہ میں رہیں گے جو خدا کا قانون زمین پر لاگو کرے گی۔

رزق کی تقسیم اس حکومت کے ذمہ ہو گی۔ وہ ہر ضرورت مند کی ضرورت پوری کرے گی۔

وہ لوگ جو معذور ہوں، محتاج ہوں یا کسی دیگر آفت ارضی و سماوی کی گرفت میں ہوں ان کی ہر ضرورت ان کا حق سمجھ کر پوری کی جائے نہ کہ نیکی خیال کی جائے اور نہ ہی ضرورت پوری کرنے کے بعد احسان کی سل ان کے سر پر رکھ دی جائے۔

کوئی انسان، رزق کے مسئلے میں کسی دوسرے کا محتاج نہیں یہ وہ نظام ہے جو قرآن پیش کرتا ہے اور اسی میں انسان کی فلاح ہے۔

ہربرٹ اسپنسر اپنی کتاب (The Data of Ethics) میں لکھتا ہے۔

"اگر مشیت خداوندی کی بجائے جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ مافوق الفطرت طریقہ سے وحی کے ذریعہ ملتی ہے ہم یہ کہہ دیں کہ یہ قوانین در حقیقت وہ ہیں جو عین فطرت کے مطابق نظریہ ارتقاء کی رو سے ملتے ہیں تو چونکہ ارتقاء زندگی کو بلندیوں کی طرف لے جاتا ہے اس لئے یہ واضح ہو جائے گا کہ انہی قوانین کی پابندی انسان کو اس کے نصب العین تک پہنچا سکتی ہے۔

انسان کی بقاء اور سلامتی اسی میں ہے کہ وہ قوانین خداوندی کی پابندی کرے۔

آپ طلوع اسلام کی مدد کیسے کر سکتے ہیں؟

☆- اپنے احباب کو طلوع اسلام کا خریدار بنائیے

☆- اپنے شہر میں طلوع اسلام کی ایجنسی قائم کیجئے

☆- کسی مقامی ایجنٹ کو تیار کیجئے کہ وہ طلوع اسلام کا لٹریچر منگائے

ممکن ہو تو اپنے علاقے سے طلوع اسلام کے لئے اشتہار مہیا کیجئے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد لطیف چوہدری

مسیح بے صلیب

شام چار بجے کے قریب دفتر بڑھا رہا تھا کہ ایک خوش قامت و خوش گل صاحب کمرے میں داخل ہوئے۔ ورزشی بدن، ہنستا مسکراتا چہرہ، پوٹھوہاری لب و لہجہ، کہنے لگے پنجاب پولیس کا ایک ادنیٰ سا ملازم ہوں۔ تسبیح پھرتا ہوں۔ تسبیح کے چند دانے آپ کی نذر کرنے آیا ہوں "پولیس اور تسبیح" میں ٹھٹک کر رہ گیا۔ کہنے کو دو الفاظ مگر ہر لفظ میں چونکہ ایک تصور پوشیدہ ہوتا ہے اور ہر تصور اپنا ایک پس منظر رکھتا ہے، جو ہمیں ذہنی طور پر مخصوص گرد و پیش میں لے جاتا ہے۔ تسبیح کا نام سنتے ہی ذہن میں آیا کہ ہو گا کوئی ڈائریکٹ حوالدار قسم کا آدمی جو اپنے گناہ بخشوانے کی فکر میں ہے۔ پھر بھی اس کی بات سن لینے میں کیا ہرج ہے؟

مجھے ہمہ تن گوش پاکر کہنے لگے۔ باغ لگایا ہے۔ کبھی آپ نے؟ میں نے کہا "جی مجھے تو یہ سعادت نصیب نہیں ہوئی ہاں البتہ ہمارے ایک کرمفرما حنیف وجدانی صاحب کے پیغامات باغبانی ہمارے ہاں شائع ہوتے رہتے ہیں۔

میں اس باغ کا ذکر نہیں کر رہا جو لوگ اپنے لئے لگاتے ہیں۔ میری مراد اس باغ سے ہے جو دوسروں کے لئے لگایا جاتا ہے۔ میری بات کاٹتے ہوئے اس نے کہا۔

"مطلب کی کہئے کچھ اور لوگ بھی میرے انتظار میں ہیں۔ گھڑی دیکھتے ہوئے میں نے کہا۔

میں جانتا ہوں آپ کا وقت بہت قیمتی ہے۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ جو پیغام آپ لوگوں تک پہنچا رہے ہیں اس سے بہتر کوئی اور پیغام ہے نہیں۔ میں زیادہ پڑھا لکھا تو نہیں، پھر بھی چند کتابیں آپ کی میں نے پڑھی ہیں۔ پولیس کی زبان میں بات کروں تو اس دنیا میں دو ہی طبقے آباد ہیں۔ ایک طبقہ کمانے والوں کا ہے اور دوسرا چرانے والوں کا۔ وسائل موجود ہوں تو کمانے والا کبھی گمراہ نہیں ہوتا، لیکن چرانے والے جب وسائل تک پر اپنا قبضہ جما لیتے ہیں تو کمانے والے مجبور ہو کر چرانے والوں میں شامل ہو جاتے ہیں اور اس طرح اصلاح معاشرہ کے بڑے بڑے منصوبے دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں۔ میری ملازمت کا زیادہ وقت مجرموں کے ساتھ گزرا ہے۔ میرا مشاہدہ ہے کہ محنت کش جرم کا ارتکاب اسی وقت کرتا ہے جب حصول رزق اور تکریم آدمیت کے سارے دروازے اس پر بند ہو جاتے ہیں۔ پرویز صاحب کی کتاب نظام ربوبیت اور درشن سنگھ آوارہ کی نظم "اٹھ اوے مالی باغ دیا کچھ نویاں قلماں لا" میرے ذہن پر سوار تھی۔ میں ان دنوں جیل میں قیدیوں کی رکھوالی پر معمور تھا۔ بیٹھے بیٹھے خیال آیا کہ جیل کے اندر یہ جو اتنی زمین خالی پڑی ہے۔ کیا اس کا کوئی مصرف نہیں۔ میں نے کدو اور توریوں کے بیج لئے اور درختوں کی جڑوں کے ساتھ کاشت کر دیئے دیکھتے ہی دیکھتے کدو اور توریوں کی بیلوں نے درخت ڈھانپ دیئے۔ اس سے نہ صرف قیدیوں اور جیل کے ملازمین کو وافر مقدار میں تازہ سبزی مہیا ہو گئی بلکہ کافی مقدار میں ان سبزیوں کے بیج بھی ہاتھ آ گئے۔ ان بیجوں کو پا کر مجھے یوں محسوس ہوا کہ یہ بیج نہیں تسبیح کے دانے ہیں جو میرے ہاتھ لگ گئے۔ اور یہ وہ تسبیح ہے جو مجھے تسکین قلب اور ضرورت مندوں کو مفت سبزی مہیا کر سکتی ہے۔ کسی غریب آدمی کو اپنے بال بچوں کے لئے ایک وقت کی سبزی مفت مل جانا کتنی بڑی بات ہے، اس کا اندازہ ایک غریب ہی لگا سکتا ہے۔

"مگر جیل کی چار دیواری کے باہر آپ کی یہ عبادت کس طرح ممکن ہے؟ میں نے پوچھا۔

جی ہمارے ہاں نہریں ہیں۔ نالیاں ہیں۔ جوہڑ ہیں۔ تالاب ہیں اور ان کے کنارے بڑے بڑے درخت اس انتظار میں کھڑے ہیں کہ ہے کوئی جسے ہمارے سہارے کی تلاش ہو؟ اگر پانی دینے کی زحمت گوارا کرنا آپ کے بس میں نہیں تو بھی ایسے سپاٹ آپ کو یقیناً" مل جائیں گے جہاں کھالوں، کھائیوں، نہروں اور نالیوں کے کنارے درختوں کے قریب تھوڑی بہت نمی موجود رہتی ہے۔ میں، میرے بچے اور وہ تمام لوگ جو میری اس تحریک کا اثر قبول کرتے ہیں، بیج لیکر نکل کھڑے ہوتے ہیں اور جہاں موقع ملتا ہے بیج کاشت کر آتے ہیں۔ کچھ دنوں بعد کدو اور توریوں کی یہ بیلیں خود کاشت پودوں کی طرح درختوں پر چڑھ کر پھل دینا شروع کر دیتی ہیں۔ خدا کی زمین، خدا کے درخت، جس کا جی چاہے پھل توڑے اور استعمال کرے۔ چھوٹی سی کوشش ہے پرویز صاحب کے پیش کردہ قرآنی نظام ربوبیت کے قیام کی۔ ہماری کوئی باقاعدہ تنظیم نہیں۔ ہر سال ہاتھوں ہاتھ منوں بیج تقسیم ہوتا ہے۔ جنت کے پھلوں کے طلبگار یہ بیج لے جاتے ہیں۔ کاشت کر کے خود بھی کھاتے ہیں دوسروں کو بھی کھلاتے ہیں۔ کئی نیک دل افسران اپنے ماتحتوں سے کام لیکر اور کئی استاد اپنے شاگردوں کے توسط سے یہ کام سرانجام دیتے ہیں۔ لاہور میں پہلی دفعہ آیا ہوں۔ حیران ہوں کہ باغوں کے اس شہر میں درختوں سے اس قسم کا کوئی کام نہیں لیا جا رہا حالانکہ کدو اور توری کی بیل کے اضافے سے درخت کا حسن بھی دوبالا ہو جاتا ہے اور سبزی الگ مل جاتی ہے۔ کوٹھی والوں کو تو مفت سبزی درکار ہی نہیں ہوتی، میں نے غریبوں کے گھر میں بھی درختوں کو ٹنڈ منڈ دیکھا ہے۔ لوگ وسائل کا رونا روتے ہیں لیکن جو وسائل ان کے گرد و نواح میں بکھرے پڑے ہیں ان پر کسی کی توجہ ہی نہیں۔ یہ کہتے ہوئے ادھیڑ عمر کے اس پرجوش آدمی نے ایک پوٹلی نکالی اور میری میز پر رکھ دی۔

"یہ کیا ہے؟ پوٹلی ٹٹولتے ہوئے میں نے پوچھا" "آپ علم بانٹتے ہیں۔ ضرور بانٹیے کہ علم کے بغیر چارہ نہیں۔ ہو سکے تو علم کے ساتھ میرے یہ بیج بھی بانٹ دیجئے۔ آپ کی اس کوشش سے ہو سکتا ہے کچھ بیج بیلوں میں تبدیل ہو کر نظام ربوبیت کے عملی نفاذ میں صدقہ جاریہ بن جائیں۔

اس کے ساتھ ہی اس مرد مجاہد نے درشن سنگھ آوارہ کی نظم کے یہ اشعار پڑھے اور نام پتہ بتائے بغیر تیزی سے رخصت ہو گیا۔

کم نہیں بننا مالا پھڑیاں
روزے رکھیاں گیتا پڑھیاں
نہ کر ویہلا بیٹھ دعاواں
پھڑ لے رمبا تنگ لے باہنواں
رہنے والے ہتھ دی سندا رب دعا
مالی، بن اس باغ وچ۔ کجھ نویاں قلماں لا

زندگی کا ایک نصب العین مسرت کی تلاش ہے لیکن ذاتی مسرت کی تلاش سے زیادہ بلند وہ جذبہ ہے جو بنی نوع انسان کی مسرت کے لئے کوشاں ہو۔ اس سے بھی بلند وہ لائحہ عمل ہے جو اپنی خوشیوں کی قربانی دیکر دوسروں کے لئے آسانیاں فراہم کرے۔ ایسے انسان ہر دور میں موجود رہے ہیں۔ ہو سکتا ہے اس دردمند انسان کی طرح ہماری نگاہوں سے اوجھل ہوں۔

بیج میرے پاس محفوظ ہیں۔ کوئی صاحب اس کام کو آگے بڑھانے کی ہمت رکھتے ہوں تو بیج انہیں بذریعہ ڈاک فراہم کر دیئے جائیں گے۔ باغبان ایسوسی ایشن کے صدر جناب حنیف وجدانی صاحب اس پر روشنی ڈال سکیں تو ادارہ ممنون ہو گا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پروفیسر بشیر احمد منگی (حیدر آباد)

شرف انسانیت

اس کائنات میں انسان کی تخلیق بہت اہم اور قابل ستائش ہے۔ جب انسان کی تخلیق کی جانے لگی تو فرشتوں نے اعتراض کیا کہ یہ زمین میں فساد پھیلائے گا اور خون بہائے گا۔... (20/30)

تو اللہ تعالیٰ نے کہا کہ **انی اعلم ما لا تعلمون** (2/30) یعنی "میں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے" انسان کی تخلیق ہوئی تو اس میں الوہیاتی توانائی' روح خداوندی کا شمہ ڈال دیا گیا۔ قرآن کے الفاظ میں **نفخ فیہ من روحہ** (32/9) یعنی اس میں اپنی روح پھونکی اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ **وجعل لکم السمع و الابصار والافدۃ** (32/9) اور تمہارے لیے کان' آنکھیں اور دل بنائے۔ یعنی انسان میں علم حاصل کرنے صلاحیت رکھ دی گئی ہے۔ اس سے انسان اس قابل ہو گیا ہے کہ وہ اپنے ارادہ سے جو چاہے کر سکتا ہے۔

اسی سلسلے میں قرآن حکیم میں ایک مقام پر آیا ہے ہم نے انسان کو اکثر مخلوق پر فضیلت بخشی ہے **و لقد کرمنا بنی آدم** یعنی ہم نے آدم کو عزت دی ہے پھر آگے ہے کہ **و فضلنھم علی کثیر خلقنا تفضیلا** (17/70) اور انہیں اپنی مخلوق میں بہتوں پر فضیلت دی ہے۔ اس آیت سے دو باتیں واضح ہوتی ہیں کہ اولاً انسان کو اکثر مخلوق پر فضیلت اور کمال حاصل ہے اور ثانیاً یہ کہ اس کائنات میں اور بھی مخلوق ہے جو انسان سے بڑھ کر ہو سکتی ہے جس کا ہنوز انسان کو علم نہیں ہے۔ یوں سمجھیں کہ یہ مخلوق ابھی تک مستور (Covered) ہے اور یہ مخلوق بھی قانون خداوندی کے مطابق دریافت (Discover) ہو سکتی ہے۔ اسی بات کی طرف سورہ الشوریٰ میں اشارہ ہے کہ **و من ایتہ خل السموات والارض و ما بث فیھما من دابۃ** (42/29) یعنی "اور اللہ کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے ارض و سموت زمین اور فضائی کروں کو پیدا کیا اور جو ان کے اندر اس نے ذی حیات (دابۃ) پھیلا دیے ہیں اور وہ اپنے قانون مشیت کے مطابق انہیں جمع کرنے پر قادر ہے۔"

فضیلت کیوں؟

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انسان میں ایسی کونسی بات ہے جس کی بناء پر کہا گیا ہے کہ اس کو اکثر مخلوق پر فضیلت حاصل ہے؟ قرآن حکیم کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان صاحب اختیار و ارادہ ہے۔ کائنات میں جو مخلوق اب تک معلوم ہو چکی ہے وہ سب کی سب فطرت کے قوانین میں جکڑی ہوئی ہے۔ وہ طوعاً" و کرہاً" اپنے اپنے دائرے کے اندر محو عمل ہے۔ وہ ان قوانین سے کبھی بھی باہر نہیں نکل سکتی۔ اسی کو قانون فطرت کہا جاتا ہے۔ قرآنی تعلیمات سے متشرح ہوتا ہے کہ سوائے انسانی مخلوق کے ہر مخلوق کی ایک فطرت ہوتی ہے۔ ہر مخلوق بدون انسان فطرت کے قانون کے تابع ہے۔ وہ فطرت کی پابند ہے۔ مثلاً" بکری کی فطرت میں شامل ہے کہ وہ گھاس کھائے اور گوشت سے اجتناب کرے۔ بکری بھوک سے مر

جائے گی لیکن وہ فطرت کی عائد کردہ پابندی کی وجہ سے گوشت کے قریب بھی نہیں جائے گی اس کے برعکس انسان اپنے فعل و عمل میں خود مختار ہے۔ دوسرے لفظوں میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ انسان کو شرف اس لیے دیا گیا ہے کہ وہ اپنے فعل میں آزاد ہے۔ یعنی انسان کو Freedom of Choice دی گئی ہے۔

قصہ آدم

قرآن حکیم نے جو امم سابقہ کے بارے میں واقعات بیان کیے ہیں، وہ قصے کہانیوں کے طور پر بیان نہیں کئے گئے ہیں بلکہ وہ اپنے اندر ہدایت رکھتے ہیں۔ یہ ہدایت ہمارے لیے مشعل راہ ہے۔ اسی سلسلے میں قرآن حکیم نے قصہ آدم کو تمثیلی انداز میں پیش کیا ہے۔ اس واقعہ میں اس حقیقت کے سوا کچھ نہیں کہ انسان کو آزاد پیدا کیا گیا ہے اور جو اپنی غلطی کسی دوسرے پر ڈالتا ہے کبھی ہدایت نہیں پا سکتا۔ آدم سے کہا گیا کہ **ولا تقربا هذه الشجرة فتكونا من الظلمين** (2/35) یعنی اس "شجر" کے قریب نہ جاؤ ورنہ ظالموں میں ہو جاؤ گے۔ اور ملائکہ کو بھی کہا گیا کہ آدم کو سجدہ کریں تو سوائے ابلیس کے باقی سب نے سجدہ کیا **و اذ قلنا للملكة اسجد والادم فسجدوالا ابليس** (2/34) اور جب ہم نے ملائکہ سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو وہ سجدہ میں گر گئے، سوائے ابلیس کے۔ آدم نے بھی معصیت کی، ابلیس نے بھی لیکن جب آدم سے پوچھا گیا کہ "کیا میں نے تمہیں اس درخت سے منع نہیں کیا تھا، اور کہا نہ تھا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے؟ وہ بولے "اے ہمارے رب! ہم نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے ...." (7/23) قرآن کے الفاظ میں **ربنا ظلمنا انفسنا** مزید کہا کہ "اگر تو نے ہمیں حفاظت نہ دی اور رحم نہ کیا تو ہم ضرور نقصان پانے والوں میں ہو جائیں گے" اس اعتراف سے معلوم ہوا کہ انہوں نے اپنی غلطی کو کسی دوسرے پر نہیں ڈالا بلکہ اپنی ذمہ داری قبول کی۔ اس سے اصلاح خویش اور باز آفرینی کے امکانات روشن ہو گئے۔ کہا گیا کہ **قلنا اهبطوا منها جميعا" فاما ياتينكم منى هدى فمن تبع هداى فلاخوف عليهم ولا هم ليحزنون** (2/38) تم سب یہاں اتر جاؤ، تاہم تمہیں میری طرف سے ہدایت آئے گی، پھر جنہوں نے میری ہدایت کی پیروی کی انہیں نہ کوئی خوف ہو گا نہ وہ غم کھائیں گے۔

اس کے برعکس ابلیس سے پوچھا گیا کہ تو نے سجدہ کیوں نہیں کیا تو اس نے کہا کہ **قال لم اكن لاسجد لبشر خلقته من صلصال من حما مسنون** (15/33) "مجھے گوارا نہ تھا کہ اس بشر کو جسے تو نے سڑے ہوئے گارے کی سوکھی مٹی سے بنایا سجدہ کروں" آگے کہا کہ **اغويتنى** (15/39) تو نے مجھے بہکایا ہے یعنی ابلیس نے اپنی ذمہ داری قبول نہیں کی اور اپنا جرم کسی "اور" پر ڈال دیا۔ کہ جب تو نے ذمہ داری قبول نہیں کی ہے تو اب تیرے لئے اصلاح کی گنجائش بھی نہیں ہے اور تو ہمیشہ مایوس رہے گا۔ قصہ آدم سے بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ جو انسان اپنی ذمہ داری قبول کرتا ہے اسی کی باز آفرینی ہو سکتی ہے اور جو اپنی ذمہ داری کسی اور پر ڈالتا ہے وہ کبھی بھی راہ راست پر نہیں آ سکتا۔

بصیرت عمرؓ

سید امیر علی نے اپنی مشہور تصنیف (The Spirit of Islam) میں حضرت عمرؓ کا ایک بصیرت افروز واقعہ لکھا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ "روایت ہے کہ ایک مجرم جرم کرتے ہوئے پکڑا گیا تھا، اس نے اپنے جرم کا یہ عذر پیش کیا کہ جرم حکم الٰہی سے ہوا ہے۔ حضرت عمرؓ نے اسے دہری سزا دی"۔

جنتی زندگی اور جہنمی زندگیوں میں فرق

قرآن حکیم نے جنت اور جہنم کی جو تفصیلات بتائی ہیں' وہ تمثیلاً" بیان کی گئی ہیں۔ کیونکہ ہمارا شعور ان حقائق کو سمجھنے میں ناپختہ ہے۔ اسی لیے کہا گیا کہ **مثل الجنة التی** (13/35) جنت کی مختلف خصوصیات بتائی گئی ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہاں آزادی ہو گی۔ یعنی "جو چاہو گے' ملے گا" سورۃ النحل میں کہا گیا کہ **جنت عدن ید خلونها تجریمن تحتها الانهر لهم فیها ما یشاؤن** (31/16) یعنی وہ ہمیشگی کے باغوں میں داخل ہوں گے جن میں دریا بہتے ہوں گے اور جہاں ان کے لیے وہ سب ہو گا جو وہ چاہیں گے"۔

اس کے برعکس جہنم میں آزادی نہیں ہو گی بلکہ جو دیا جائے گا' کھانا پڑے گا۔ سورہ السجدۃ میں جہنم کے سلسلہ میں ہے کہ مجرمین کہیں گے کہ ہمیں واپس بھیج کہ ہم صحیح عمل کریں' ہمیں یقین آگیا ہے" (32/12) لیکن کہا جائے گا کہ نہیں **فذوقو** اب مزہ چکھو۔ سورہ مریم میں کہا گیا کہ "مجرموں کو جہنم کی طرف پیاسے ریوڑ کی طرح ہانک دیں گے" (19/86) اف یہ کتنی بری زندگی ہے۔

اعمال کا ذمہ دار

مندرجہ بالا تفصیلات سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ انسان کو جو اتنا شرف اور فضیلت حاصل ہے وہ اسی لیے ہے کہ وہ خودمختار اور اپنے ارادہ میں آزاد ہے۔ وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔ قرآن حکیم میں آتا ہے کہ **انا هدینه السبیل اما شاکرو و اما کفور** (76/3) یعنی ہم نے اسے راہ دکھا دی ہے۔ اب وہ شکر گزار ہو یا ناشکر گزار۔ انسانوں کو ان کے کاموں کا بدلہ ملتا ہے۔ **سیجزون قالوا یعملون** (7/180) یعنی وہ اپنے عملوں کا بدلہ پائیں گے۔ اسی بات کو ایک اور انداز سے سورہ البلد میں سمجھایا گیا ہے۔ کہ "کیا ہم نے اس کے لیے دو آنکھیں نہیں بنائیں اور زبان اور دو ہونٹ اور دو راہیں نہیں دکھائیں؟" یہی وہ چیزیں ہیں جن کو انسان استعمال کر سکتا ہے۔ اسی بنیاد پر انسان کو آزاد اور خودمختار بنایا گیا ہے۔ جو چاہے کر سکتا ہے۔ لیکن یہ بھی واضح رہے کہ انسان عمل میں تو خودمختار و آزاد ہے عمل کے نتیجے میں خودمختار نہیں ہے۔ ہر نتیجہ اس کے عمل میں چھپا ہوا ہوتا ہے۔ اس کو نتیجہ پر کوئی اختیار نہیں ہے۔

اشتہارات کے نرخ یہ ہیں

	ایک بار	سال بھر کے لئے
ٹائٹل کے صفحات		
پشت پر	=/800 روپے	=/6000 روپے
اندرونی صفحات	=/600 روپے	=/5000 روپے
اندرونی صفحات		
پورا صفحہ	=/500 روپے	=/4000 روپے
نصف صفحہ	=/300 روپے	=/2000 روپے
چوتھائی صفحہ	=/150 روپے	

مذکورہ شرح ایک رنگ کے اشتہار کے لئے ہے۔ اشتہار شائستہ اور معیاری ہونا چاہئے اجرت اشتہار مسودہ کے ساتھ پیشگی ہونی چاہئے۔

سرکولیشن مینجر

DONATIONS

TOLU-E-ISLAM TRUST IS GRATEFUL TO THE DONORS FOR THEIR CONTRIBUTIONS TOWARDS THE FOLLOWING FUNDS

KHATM-E-NABUWWAT FUND

1. Bazm Tolu-e-Islam Kuwait	Rs. 50,000
2. Prof. Dr. Zahida Durrani	Rs. 1,10,000
3. Malik Hanif Wajdani	Rs. 100
4. Bazm Tolu-e-Islam Saudi Arabia	Rs. 20,000
5. Dr. Shabbir Ahmed Florida	Rs. 8,800
6. Bazm Tolu-e-Islam London	Rs. 36,000
7. Mr. Muhammad Iqbal Lahore	Rs. 330
8. Ch. Jamshed Bashir USA	Rs. 355
9. Mrs. Nasira Shahid USA	Rs. 220

ASBABE ZAWALE UMMAT PROJECT

1. Mr. Ubedur Rahman Arain	Rs. 1,20,000
2. Prof Dr. Zahida Durrani	Rs. 60,000

EDUCATION AID FUND

1. Prof. Dr. Zahida Durrani	Rs. 70,000
2. Mrs. Kalsoom Saeed USA	Rs. 19,320

BOOKS FOR LIBRARIES

Prof Dr. Zahida Durrani Rs. 40,000

COMPUTER FUND

Mr. Muhammad Khan Shamsi Rs. 1,24,200

GENERAL PURPOSES

1. Dr. Tahir Mahmud USA	Rs. 46,000
2. Mr. M.H.Razi England	Rs. 10,000

Executive Head
Tolu-e-Islam Trust

ہمارا دعویٰ ہے (اور مبنی بر ایمان دعویٰ) کہ

اسلام نوعِ انسانی کی تمام مشکلات کا حل پیش کرتا ہے

لیکن جب پوچھا جائے کہ اسلام ہے کیا، تو مختلف گوشوں سے مختلف آوازیں اُٹھتی ہیں جن کا ماحصل نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کے مسائل سے زیادہ کچھ نہیں ہوتا۔ ظاہر ہے کہ اگر اسلام یہی ہے تو اس سے زندگی کے مسائل کا حل نہیں مل سکتا۔ اسلام ایک نظامِ حیات ہے اور اس کی بنیادیں غیر متبدل تصورات پر قائم ہیں۔ جب تک یہ تصورات واضح طور پر سامنے نہ آئیں، اسلام، بحیثیت ایک نظامِ حیات کے سمجھ میں نہیں آسکتا۔ ضرورت تھی کہ

یہ تصورات واضح اور دلکش انداز میں پیش کیے جائیں

پرویز صاحب کی تصنیف

اسلام کیا ہے؟

اسی ضرورت کو بہ تمام و کمال پورا کرتی ہے۔

اس کے مطالعہ سے اسلام کے متعلق سینکڑوں غلط فہمیاں دُور ہو جاتی ہیں!

قیمت: اعلیٰ ایڈیشن =/180 Rs قیمت: سٹوڈنٹ ایڈیشن =/90 Rs

مینجر طلوعِ اسلام ٹرسٹ

کتے مار دوائی یا اکسیر؟

اشیائے خوردنی میں ملاوٹ کے متعلق کسی نے کہا تھا کہ ملاوٹ انتہا سے بھی آگے نکل گئی ہے۔ وہ کون سی چیز ہے جو ملاوٹ سے پاک رہ گئی ہو۔ ایک آدمی نے پے در پے مایوسیوں اور ناکامیوں سے تنگ آکر خودکشی کی نیت سے زہر خریدا اور کھا لیا لیکن زہر نے وہ اثر نہ دکھایا جو زہر دکھایا کرتا ہے کیونکہ زہر میں ملاوٹ تھی۔ اسے خیال آیا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے کسی خاص مقصد کے لئے نئی زندگی عطا کی ہے۔ اس نے موت سے بال بال بچ جانے کی خوشی میں آدھا کلو مٹھائی خریدی اور اکیلے ہی کھا گیا اور مرگیا کیونکہ مٹھائی میں زہریلی ملاوٹ تھی۔

ہم اب تک اس بات کو لطیفہ یا سچ گپ سمجھتے رہے لیکن گزشتہ ماہ جنوری کی 13 تاریخ کے اخباروں میں مریدکے کی ایک خبر پڑھی۔ قارئین کو یاد ہو گا کہ لاہور شہر میں لوگ آوارہ کتوں سے تنگ آ گئے اور لاہور کارپوریشن نے کتا مار آپریشن کیا تھا۔ مریدکے میں خارش زدہ آوارہ کتوں کی بہتات ہو گئی تو لوگوں نے بلدیہ مریدکے سے مطالبہ کیا کہ خارش زدہ کتوں کو تلف کیا جائے ورنہ ان کی خارش کی بیماری انسانوں کو بھی لگ سکتی ہے۔

بلدیہ نے عوام کی پرزور فرمائش پر کوئی "کتے مار" دوائی خریدی اور بلدیہ کے اہلکاروں نے یہ دوائی کتوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر ان کے آگے پھینکنی شروع کر دی۔ کتے یہ دوائی بڑے شوق اور رغبت سے کھاتے رہے لیکن مرنے کی بجائے ان کی خارش ختم ہو گئی اور کتے صحت یاب ہو گئے۔

اگر کوئی صاحب داد، چنبل، خارش وغیرہ جیسے جلدی مرض میں مبتلا ہوں تو وہ بلدیہ مریدکے سے رجوع کر سکتے ہیں۔

وکلا حضرات توجہ فرمائیں

تبلیغ وحی ٹرسٹ لاہور اپنی تبلیغی سرگرمیوں کے علاوہ ان تمام دیوانی اور فوجداری قوانین کو جو قرآن و سنت کے منافی ہیں وفاقی شرعی عدالت میں چیلنج کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ ایسے ان تمام وکلاء حضرات سے جو قرآن و سنت پر بھی گہری نظر رکھتے ہوں رابطہ قائم کرنے کی درخواست ہے۔ ٹرسٹ ان کے جائز اخراجات ادا کرنے کے لئے تیار ہے۔

تبلیغ وحی ٹرسٹ۔ میاں کامپلیکس

میاں پارک بادامی باغ لاہور۔ 6 فون: 204604

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقبول محمود فرحت

رپوتاز

جشن آزادی پاکستان کی پچاسویں سالگرہ کی تقریبات کے سلسلے میں بروز اتوار 21 ستمبر این روڈ کمیونٹی سنٹر میں بزم طلوع اسلام لندن کے زیر اہتمام یوم قائد اعظمؒ منایا گیا۔ جس میں کثیر تعداد میں لوگوں نے شرکت کی۔ سٹیج سیکرٹری وقار احمد کی تلاوت قرآن اور مفہوم بیان کرنے کے بعد جلسہ کا آغاز ہوا۔ علامہ غلام احمد پرویز کا خصوصی خطاب بہت اہمیت کا حامل تھا۔ خطاب کا عنوان تھا۔

منزل انہیں ملی جو شریک سفر نہ تھے۔

انہوں نے بتایا کہ مطالبہ پاکستان کا مخالف انگریز اور ہندو تو تھا ہی مگر اس کی شدید مخالفت جمیعت العلماء ہند' جماعت اسلامی اور مجلس احرار نے کی تھی۔ قائد اعظمؒ کی زیر قیادت مسلم لیگ نے جب 1937ء میں عام انتخابات میں حصہ لینے کا فیصلہ کیا تو مسلم لیگ پارلیمنٹری (PARLIAMENTARY) بورڈ کے اجلاس میں مولانا حسین احمد مدنی۔ مفتی کفایت اللہ' مولانا احمد سعید نے قائد اعظم کی شخصیت کی تعریف کی' ان کی قیادت پر اعتماد کا اظہار کیا اور کہا کہ علماء مسلم لیگ کی حمایت کریں گے مگر شرط یہ عائد کر دی کہ حمایت میں پراپیگنڈے کے لئے 50 ہزار روپیہ دیا جائے اور دیو بند کو اس مہم کا مرکز بنایا جائے۔ اس اجلاس میں قائد اعظم نے ان سے کہا کہ آپ علماء حضرات کو بخوبی علم ہے کہ اس وقت لیگ کے پاس 50 ہزار تو کیا 50 روپے بھی نہیں ہیں۔ ہم سب کو خلوص دل سے مہم شروع کی دینی چاہیے ہمارے ارادوں اور مطالبہ پاکستان کی صداقت نمایاں ہو گی تو عوام سے چندہ جمع کرنے کی مہم شروع کی جائے گی اس کے بعد فنڈز کی کمی نہیں رہے گی مگر یہ حضرات اس پر مطمئن نہ ہوئے اور فتویٰ دے دیا کہ قائداعظمؒ کافر اعظم ہے لہٰذا مسلم لیگ میں شامل ہونا' اسے چندہ دینا' پاکستان کی حمایت کرنا کفر ہے اور جو اس کی حمایت کرے گا وہ شخص دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ علامہ غلام احمد پرویزؒ کا کہنا ہے کہ اگر نیشنلسٹ علماء کو دینے کے لئے مسلم لیگ کے پاس اس وقت 50 ہزار روپیہ ہوتا تو آج پاکستان کی تاریخ مختلف ہوتی۔

بزم طلوع اسلام لندن کے صدر مقبول محمود فرحت نے اپنی تقریر میں کہا کہ قائد اعظمؒ پر یہ الزام کہ وہ پاکستان میں سیکولر نظام حکومت چاہتے تھے یکسر بے بنیاد اور حقائق سے دور ہے۔ وہ پاکستان میں قرآنی اصولوں کے تحت ایک جمہوری طرز حکومت کے علمبردار تھے۔ مقبول فرحت نے انکشاف کیا کہ قائد اعظمؒ سے وقت ملاقات مقرر کئے بغیر صرف دو حضرات کو ملاقات کرنے کی اجازت تھی ایک جناب غلام احمد پرویزؒ اور دوسرے حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ تھے۔ مہمان خصوصی کونسلر مسز شمع احمد نے بزم طلوع اسلام لندن کی قرآنی سرگرمیوں کو سراہا اور زور دیا کہ امت مسلمہ میں وحدت پیدا کرنے کی جتنی ضرورت اس وقت ہے شاید پہلے نہ تھی اور یہ وحدت صرف رجوع علی القرآن سے ہی ہو سکتی اور اس کی بدولت ہی پاکستان میں مذہبی فرقہ بندی اور سیاسی انتشار ختم ہو سکتا ہے۔

عزیز بلال پسر لیڈی ڈاکٹر کرنل آصفہ نے کلام اقبال سنایا' ڈاکٹر محمود الحسن وائیں نے سامعین کا دسمبر کی سخت سردی کے باوجود کثیر تعداد میں شرکت کرنے پر شکریہ ادا کیا۔ آخر میں بارکنگ کے سابق کونسلر عبدالمجید کھوکھر نے پاکستان کی سلامتی و ترقی کے لئے دعا کی اور بزم احباب کے صدر ڈاکٹر سعید صدیقی کی صحت یابی کے لئے دعا مانگی۔

جلسہ میں شرکت کرنے والی معروف شخصیتوں میں دی نیشن اخبار کے مدیر محمد سرور۔ یو کے اسلامک مشن کے سابق صدر رشید صدیقی' شاہ حسن اطہر سیکرٹری محترمہ فاطمہ جناح' کونسلر فیض نور ریڈ برج' کونسلر عبدالرحمٰن فانی بارکنگ' کونسلر صبیحہ شہزاد گرینج' راجہ محمود اسلم' لیڈی ڈاکٹر کرنل آصفہ' کونسلر اکبر چوہدری نیوہیم اور احمد دین صدر گرین سٹریٹ ٹریڈرز قابل ذکر ہیں۔

پیپلز کلیرنگ ایجنسی

کسٹم ہاؤس سے منظور شدہ

کلیرنگ اینڈ فارورڈنگ ایجنٹ

۲۵ سالہ تجربہ کار

کلیرنگ اور فارورڈنگ کے معاملات میں ایک قدم آگے

ہمارے ۲۵ سالہ تجربہ سے دوسروں کے مقابلے میں زیادہ فائدہ۔

ہم آپکی خدمت کیلئے ہمہ وقت تیار ہیں۔

۵۔ وقار سینٹر، فرسٹ فلور رام بھارتی اسٹریٹ، جوڑیا بازار۔ کراچی

فون: ۲۴۲۶۱۲۸ ۲۴۲۱۰۴۵-۲۴۲۷۵۳۷

فیکس نمبر :- ۲۴۱۹۷۸۲

ٹیلیکس: ۲۱۰۴۳ BTC PK

سادہ پانی کے ذریعے علاج

خدائے بزرگ و برتر نے ہمیں پانی جیسی بیش بہا نعمت عطا کی ہے اور اس میں بہت سی نئی و پرانی بیماریوں کے لئے شفا رکھی ہے۔ جاپانی سکینر ایسوسی ایشن نے پانی کے ذریعے علاج کا طریقہ کار متعارف کرا کے یہ ثابت کر دیا ہے کہ سادہ پانی سے سردرد، بلڈ پریشر، خون کی کمی، جوڑوں کا درد، موٹاپا، دل کی تیز دھڑکن، بے ہوشی کے دورے، کھانسی، بلغم، دمہ، ٹی بی، آلات بول و براز کے امراض، سینے میں جلن، پت (صفرا) کے امراض، گیس، تپش، قبض، ذیابیطس، امراض چشم، زنانہ امراض مثلاً نقائص حیض، لیکوریا، کینسر، ناک، کان اور گلے کے امراض سے نہ صرف بچاؤ کیا جا سکتا ہے بلکہ انہیں دور بھی کیا جا سکتا ہے۔

پانی استعمال کرنے کا طریقہ

صبح اٹھتے ہی نہار منہ ایک کلو (چار بڑے گلاس) پانی پئیں، دھیان رہے کہ صبح اٹھتے ہی پانی پینا ہے۔ پانی پینے کے 45 منٹ بعد تک کچھ اور نہ کھائیں پئیں۔ ہاں برش وغیرہ کیا جا سکتا ہے اس کے بعد ناشتہ کریں۔ ناشتے کے بعد دوپہر اور رات کے کھانے کے بعد دو گھنٹے تک پانی بالکل نہ پئیں۔ رات سونے سے دو گھنٹے قبل کھانا کھائیں اور سونے سے قبل جتنا پانی چاہیں پی سکتے ہیں۔

بیمار اور کمزور افراد جو بیک وقت 4 گلاس پانی نہیں پی سکتے انہیں ابتدا میں ایک گلاس سے علاج کا آغاز کرنا چاہئے اور رفتہ رفتہ 4 گلاس تک پہنچنا چاہئے۔

مذکورہ بالا طریقے سے مریضوں کو شفا ہو گی اور تندرست افراد ہمہ اقسام کی بیماریوں سے محفوظ رہیں گے۔ اس طریقہ علاج سے درج ذیل بیماریاں مقررہ مدت میں دور ہو جاتی ہیں:

(1) بلڈ پریشر	1 ماہ	(2) ذیابیطس	1 ماہ	(3) گیس	10 دن
(4) قبض	10 دن	(5) کینسر	6 ماہ	(6) ٹی بی	3 ماہ

جنہیں مذکورہ بالا بیماریاں، یا جوڑوں کے درد کی شکایت ہو وہ پہلے ہفتے میں روزانہ تین بار پانی کا استعمال کریں۔ (صبح 6 بجے، دوپہر 12 بجے اور شام 6 بجے) ایک ہفتے بعد صرف صبح نہار منہ 4 گلاس پانی استعمال کریں۔

(بشکریہ حکایت)

TO LEARN MORE AND MORE ABOUT ISLAM
PLEASE REMAIN IN TOUCH WITH WEB PAGE
http://www.toluislam.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اسلاف پرستی

علی محمد چدھڑ

اسلاف پرستی یا تقلید دراصل ایک ہی سکہ کے دو رخ ہیں یہ ایک ایسی سوچ یا ذہنیت کا نام ہے جسکی اسلام میں ممانعت کر دی گئی ہے۔ لہذا مسلم قوم سے یہ قطعاً توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ خدائی احکام کے برعکس ایسی مذموم روش اختیار کرے جو اسے اندر ہی اندر کھوکھلا کر دے اور اسے احساس تک نہ ہونے پائے بد قسمتی سے اس وقت خود مسلمان دیگر اقوام کی نسبت اس مرض کا زیادہ شکار ہیں اور اسی نسبت سے جہالت اور پسماندگی کی لعنتیں بھی انکے حصے میں زیادہ ہی آئی ہیں۔ اس کے برعکس ایسی اقوام جنہوں نے اسلاف پرستی سے جان چھڑالی ہے اقوام عالم میں ایک بلند مقام حاصل کر کے دنیا کی رہنمائی کا فریضہ ادا کر رہی ہیں۔

جہاں تک امت مسلمہ کا تعلق ہے کتاب اللہ میں متعدد مقامات پر اسلاف پرستی کے خلاف احکامات موجود ہیں۔ یہاں تک کہ اس مرض کے شکار حضرات کو بہرے۔ گونگے اندھے اور عقل و فکر سے کام نہ لینے والے قرار دے دیا (2 : 170 - 71) مزید تنبیہ کے طور پر یہ بھی بتا دیا کہ تمہاری ذات کی حفاظت کی ذمہ داری تمہارے اپنے اوپر ہے تمہارے اسلاف پر نہیں لہذا تم نے کہیں یہ راہ اختیار نہ کرلینا (5 : 105) کتنے افسوس کا مقام ہے کہ ان واضح احکام کی باوجود ہم بڑے فخر کیساتھ اپنے اسلاف کے بیج سینے پر سجائے پھرتے ہیں اور ہمیں ذرا بھی خدا کا خوف نہیں آتا۔

دراصل تقلید کی اس روش میں جب تواتر پیدا ہو جاتے تو انسان کی شعوری صلاحیتیں سلب ہو جاتی ہیں اور انکی بازیابی کا امکان ہی نہیں رہتا۔ غالباً ایسے ہی لوگ ہیں جن کے متعلق کہا گیا ہے کہ انکے دلوں میں مہریں لگ جاتی ہیں (2:7) ۔ انکی یہ روش مذہبی پیشوائیت کے معیار کے عین مطابق ہے۔ جسکی کامیابی کا راز ہی اس میں ہے کہ لوگ آنکھیں بند کر کے اسکی متا کرتے چلے جائیں اور کسی تنقید یا اعتراض کی نوبت نہ آئے۔

اسلام سے مراد کتاب اللہ کی راہ نمائی میں علم و عقل سے کام لینا اور مذہبی پیشوائیت کے مسلک میں نہ کتاب اللہ کا کوئی عمل دخل ہوتا ہے نہ علم و عقل سے کچھ واسطہ۔

کچھ عرصہ ادھر کی بات ہے "مدینہ یونیورسٹی کے صدر نے اعلان کیا کہ زمین ساکن ہے اور سورج اسکے گرد چکر لگا رہا ہے۔ اگر کوئی شخص اسکے خلاف تصور کرے تو اسے پھانسی پر لٹکا دیا جائے۔

(طلوع اسلام اگست ۱۹۶۶ء)

قارئین کرام اندازہ فرمائیں جس ملک کی اسلامی یونیورسٹی کا یہ حال ہو وہاں سائنس دان کہاں سے آئیں گے۔ دفاعی نقطہ نظر سے وہ ملک دنیا کی کونسی قطار میں کھڑا ہو سکے گا۔

۱۶۱۶ء سے قبل تک عیسائیت اور دیگر مذاہب میں زمین کو ساکن ہی خیال کیا جاتا تھا۔ بعد ازاں اس نظریہ کو بائیبل کی ایک آیت کی تائید میں پیش کیا جانے لگا۔ ۱۶۱۶ء میں اپنے تجربات اور مشاہدات کی بنیاد پر اعلان کر دیا کہ زمین ساکن نہیں بلکہ سورج کے گرد گھوم رہی ہے۔ انکے اس نظریہ کو ملک کے مذہبی راہنماؤں نے بائیبل کی ایک آیت کے خلاف تصور کیا۔ چنانچہ اس الزام میں گیلیلیو کی تمام کتابوں پر پابندی لگانے کے علاوہ سزائے قید بھی سنا دی گئی۔ لیکن اب کلیسا کے سرکردہ رہنماؤں نے تحریری

طور پر یہ اعلامیہ جاری کر دیا ہے کہ گلیلیو کا نظریہ درست تھا لہذا اس باب میں مذہبی پیشوائیت کا عقیدہ باطل ہو گیا۔ بہر حال دیر آید درست آید۔ ساڑھے تین سو سال بعد ہی سہی سنٹ پال نے کلیسا کی غلطی کو تسلیم تو کیا۔ لیکن ہماری مدینہ یونیورسٹی کے صدر نے ابھی تک اسی قدیم نظریہ کو جاری رکھا ہوا ہے۔ اور اسے اتنی توفیق نہیں ہوئی کہ زمین کے متعلق موجودہ نظریہ کو درست تسلیم کر کے اپنی غلطی کا ازالہ کر سکیں۔ تا کہ آئندہ کسی غلط تصور کو اسلام کی طرف منسوب نہ کیا جائے

مغربی علوم کا ایک مشہور مفکر اوسپنگی کہتا ہے "کہ جو مذہب سائنس کی تکذیب کرے اور جو سائنس مذہب کی تکذیب کرے وہ دونوں باطل ہیں" اسکا مطلب یہ ہے کہ سائنس کی تحقیقات اسی صورت میں یقینی ہو سکتی ہیں جب وہ صحیح مذہب کی مسلمات کی تائید کریں لیکن مذہب کی مسلمات توہم پرستی پر مبنی نہیں ہونی چاہیں بلکہ عقل و بصیرت پر مبنی ہونی چاہیں۔ مسلمانوں کا مروجہ مذہب عیسائیت دونوں تقلیدی مذاہب ہیں لہذا عقل و بصیرت سے عاری۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا یہ مفروضہ کہ "زمین ساکن ہے اور سورج اسکے گرد چکر لگا رہا ہے" سائنس کے عظیم سپوت گیلیلیو کے مشاہدات کے مقابل میں باطل ثابت ہوا اور آج زمانہ اسکی دریافتوں کو حقائق کے طور پر تسلیم کر چکا ہے۔ گلیلیو کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ کسی معاملہ میں بھی تقلید کو پسند نہیں سائنس کے مستقبل کے لئے بہت اہم ثابت ہوا کہ "ہمیں فطرت کے بارے میں علم حاصل کرنے کے لئے مشاہدہ اور تجربات کرنے چاہیں ارسطو اور دوسرے قدیم علماء کی تحریروں میں جواب تلاش نہیں کرنے چاہیں۔ وہ کہتا ہے۔ "میں اللہ کا شکر گذار ہوں جس نے مجھ کو ایسی حیرت انگیز چیزیں دکھائیں جو ماضی میں کسی نے نہیں دیکھی تھیں۔ میں نے دریافت کیا ہے کہ چاند زمین کی طرح کی ایک چیز ہے۔ ستارے خود روشن نہیں بلکہ سورج کی روشنی منعکس کرتے ہیں۔ (عظیم سائنس دان ۲۰۴)

پرانے زمانہ میں چاند کے متعلق طرح طرح کی داستانیں مشہور تھیں لیکن گیلیلیو کی دریافت نے سارا نقشہ ہی پلٹ دیا موجودہ دور میں دنیا کے مشہور خلانورد نیل آرمسٹرانگ نے چاند پر قدم رکھ کر گیلیلیو کے کام پر صرف مہر ثبت کر دی بلکہ عملی طور پر بھی ثابت کر دیا کہ "چاند واقعی زمین کی طرح کی ایک چیز ہے۔" زمین کا فیصلہ تو ہو گیا کہ وہ متحرک ہے اور مذہب کے مقابلہ میں سائنس کا نظریہ درست نکلا۔ دیکھنا یہ ہے کہ چاند کو ہمارے مذہب کی دنیا کس نظر سے دیکھتی ہے۔ مثلاً روایت کے مطابق حضور نبی کریم علیہ اسلام کے زمانے مبارک میں چاند پھٹ کر دو ٹکڑے ہو گیا۔ ایک ٹکڑا پہاڑ کی اس طرف چلا گیا جبکہ دوسرا اس طرف ہو گیا" (مسند احمد جلد اول ۴۱۳) - اس ضمن میں قرآن کریم کی ایک آیت کا حوالہ بھی دیا جاتا ہے جس کا ترجمہ ہے۔ "قیامت قریب آپہنچی اور چاند پھٹ گیا۔ (54:1)

معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے محدثین اور مفسرین نے ابتدائی طور پر چاند کو ایک گول اور روشن تھالی کے مشابہ خیال کیا تھا جو پھٹ کر دو ٹکڑے ہو گئی۔ اور زمین کے نزدیک آ کر اسکا ایک ٹکڑا پہاڑ کے اس طرف چلا گیا اور دوسرا اس طرف ہو گیا۔ یہ آج سے ڈیڑھ ہزار سال قبل کا واقعہ ہے۔ اس زمانہ میں انسان کی ذہنی اپروچ یہاں تک ہی محدود ہو لیکن ہماری نادانی یہ ہے کہ ہم نے اس وقت کی سوچ کے فیصلہ کو آخری حیثیت دے دی اور قرآنی مفہوم کو تفسیر طبری میں مقید کر دیا۔ بہر حال انہوں نے کیا دیکھا اور کیا سمجھا۔ یہ پرانے زمانے کی بات ہے البتہ موجودہ دور میں بھی "شق القمر" کے ضمن میں ایک ریاضیاتی ثبوت کا انکشاف ہوا ہے جس کا سہرا جناب شمشاد محمد لودھی ایم۔ اے (میتھ) کے سر ہے۔ ہمارے قومی زوال کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ کتاب اللہ کی عملی تنفیذ اور اسکے ذریعہ مثالی معاشرہ کی تشکیل کے کٹھن راستے کو ترک کر کے ہم نے آسان طریقے ایجاد کر لئے ہیں۔ جن میں قرآن کی صداقت کا ریاضیاتی ثبوت منطقی اور عددی ثبوت وغیرہ سب شامل ہیں۔ ایک طرف تو ہم نے تڑپتی بلکتی انسانیت کو قرآن کی برکات و ثمرات سے محروم کر رکھا ہے تو دوسری طرف

ساری امت مسلمہ کو متعدد مافوق الفطرت واقعات میں الجھا دیا ہے۔ تاکہ فکر و عمل کی رہی سہی صلاحیتیں بھی ختم ہو جائیں اور اس بد قسمت امت کی ہلاکت کے لئے کسی بیرونی دشمن کی ضرورت ہی نہ رہے۔ ہاں تو بات ہو رہی تھی لودھی صاحب کے ریضیاتی ثبوت کی۔ کچھ عرصہ ہوا ان کا ایک مضمون بعنوان "قرآن کی صداقت کا ریاضیاتی ثبوت" روزنامہ نوائے وقت میں شائع ہوا تھا۔ ملاحظہ فرمائیں اس کا ایک اقتباس۔ "خالق کائنات نے اپنی اشرف المخلوقات کو صحیح راستہ دکھانے کیلئے نبی اور رسول بھیجے انہوں نے اپنے زمانے میں اپنی قوم کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیا۔ ان انبیائے کرام کو مختلف معجزات سے نوازا گیا تاکہ وہ اپنی نبوت کا ثبوت پیش کر سکیں۔ اقوام عالم کی اس جزوی تربیت کے بعد خداوند قدوس نے آخری پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰؐ کو تمام دنیا کیلئے مبعوث فرمایا آپکو معجزات عطا کئے گئے۔ جن میں سے ایک معجزہ انگلی کے اشارہ سے چاند کے دو ٹکڑے کرنا تھا۔ یہ معجزہ اس زمانے میں اہل مکہ نے دیکھا اور موجودہ دور میں چاند پر جا کر واپس آنے والوں نے اس بات کی تصدیق کی ہے کہ چاند کی سطح پر دو ٹکڑوں کے جوڑے جانے کا واضح نشان موجود ہے۔ لیکن نبی آخرالزمان کا سب سے بڑا معجزہ قرآن کریم ہے۔"

اقتباس کا آخری فقرہ ہے۔ "نبی آخرالزمانؐ کا سب سے بڑا معجزہ قرآن کریم ہے" جسکا باقی سارے اقتباس کے متن کیساتھ کوئی ربط نہیں ہے۔ جس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ یہ محض رسماً لکھ دیا گیا ہے۔ اصل موضوع سخن اقتباس کا باقی حصہ ہے جسے لودھی صاحب قرآنی اوراق میں لپیٹنا چاہتے ہیں۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ اگر ہم قرآن کریم کو سب سے بڑا معجزہ تسلیم کر لیں تو باقی معجزات کیلئے گنجائش رہتی ہے نہ جواز۔ لہذا ان میں سے کسی ایک صورت کو درست (حق) ماننا پڑے گا۔ ظاہر ہے وہ صورت قرآن اور صرف قرآن میں ہی ہو سکتی ہے۔ کہ ہمارے نزدیک دین یہ یم ہے۔ جہاں تک معجزات کو نبوت کے ثبوت کے طور پر پیش کرنے کا تعلق ہے تو اس بارے میں قرآن کہتا ہے۔ "یہ وہ لوگ ہیں کہ قرآنی حقائق پر غور کرنے کے بجائے بدستور مطالبہ کئے جاتے ہیں کہ اگر یہ خدا کا رسول ہے تو اسے حسیّ معجزات کیوں نہیں دیئے گئے۔ ان سے کہو کہ خدا کے ہاں معجزات کی کمی نہیں کائنات کا ذرہ ذرہ معجزہ ہے۔ اصل یہ ہے کہ قرآن ایک دستور حیات ہے اور میرا فریضہ یہ ہے کہ تمہیں واضح طور پر بتاؤں کہ تم اس دستور کے مطابق چلو گے تو اسکا نتیجہ کیا ہوگا اور اسکی خلاف ورزی کا کیا" (۵۔ ۲۹) اس سے ایک تو قرآن کی غرض وغایت اور اصل مقاصد کا پتہ چل گیا دوسرے اس فرمان سے یہ بات نکھر کر سامنے آگئی کہ معجزات (مافوق الفطرت واقعات) کے متعلق قرآنی منشا کیا ہے کتاب اللہ میں کسی ایک جگہ سے بھی یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ مشرکین مکہ یا دیگر مخالفین اسلام کے مطالبہ پر اللہ تعالیٰ نے معجزہ کو ظاہر کرنے کا ارادہ کیا ہو۔ البتہ جب بھی ان لوگوں کی طرف سے ایسا مطالبہ کیا گیا اسے طفلانہ سمجھ کر رد کر دیا اور فرمایا کہ اے پیغمبرؐ ان سے کہہ دو کہ میرا رب اس سے بہت بلند ہے (کہ تمہارے ایمان لانے کیلئے اس قسم کی باتیں کر دکھانے بلکہ دنیا میں خود تو میں نے کبھی خدائی دعویٰ نہیں کیا) میں تو تمہارے جیسا ایک انسان ہوں اس فرق کیساتھ کہ میں تم تک خدا کا پیغام پہنچاتا ہوں۔
(17 : 90-94)

نہ صرف یہ بلکہ قرآن کریم ایسے ہی متعدد اصول واحکام سے معمور نظر آتا ہے۔ جو سرے سے نہ صرف معجزات کی نفی کرتے ہیں بلکہ ایسے ایمان کو ایمان ہی تسلیم نہیں کرتے جو اختیارہ ارادہ کے بغیر کسی جبر و اکراہ کے تحت لایا جائے (6:7-9-15-35-37)

اب جو لوگ اٹھتے بیٹھتے حضور اکرمؐ سے منسوب حسی معجزات کا ہی ذکر کرتے ہیں اگر پہلے قرآن سے مشورہ کر لیں تو وہ بہت سی غلط فہمی اور مبالغہ آرائی سے بچ سکتے ہیں۔ اس لئے کہ قرآن کاروان انسانیت کو سفر زندگی میں وہ راہ دکھاتا جس سے زیادہ سیدھی اور متوازن راہ اور کوئی نہیں۔ حضور نبی اکرمؐ کی صداقت کو ہی لے لیں۔ لوگ حضورؐ کے پاس آتے اور آپ سے کہتے کہ آپکے پاس اسکا کیا ثبوت ہے کہ آپ خدا کے رسول

ہیں تو آپ انکی باتوں کو صبر و سکون سے سنتے اور ان سے کہتے کہ دیکھو کہ "میں کہیں باہر سے نہیں آیا کہ تمہیں میرے متعلق کچھ علم نہ ہو میں نے اس دعوئی نبوت سے پہلے ایک عمر تمہیں لوگوں میں گذاری ہے کیا تم اس سے اندازہ نہیں لگا سکتے کہ میں اس دعوی میں سچا ہوں یا جھوٹا؟ کیا میری زندگی تمہیں یہی بتاتی ہے کہ میں جھوٹا اور فریب کار ہوں۔ تم ذرا عقل و فکر سے کام لو اور سوچو کہ جھوٹے کی زندگی ایسی ہی ہوتی ہے" (10 : 16)۔

اس کا انکے پاس کوئی جواب نہ تھا۔ یہ وہ معجزہ تھا جسکے سامنے سب کی نگاہیں جھک جاتی تھیں یعنی رسول کی سچائی کی سب سے بڑی شہادت انکی سابقہ زندگی ہے۔ اور جس میں وہ اخلاق کے بلند ترین مقام پر فائز ہے۔ کیا ان کا یہ مقام ہمارے لئے سنت رسول نہیں بن سکتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس باب میں رسولؐ کی زندگی تمہارے لئے بہترین نمونہ ہے۔

(33 : 21) اسکے برعکس ان حسی معجزات میں جو ہم نے حضورؐ کی طرف منسوب کر رکھے ہیں زندگی کا کونسا سبق یا حکمت پوشیدہ ہے۔ اس کا جواب ان مبلغین کو دینا ہے۔ جنہوں نے نبی کریم کی حیات طیبہ کو ایسے ہی پراسرار واقعات سے مزین کر رکھا ہے۔

فرد ہو یا قوم خدا نے صداقت کا معیار اسکے اعمال کے نتائج پر مقرر کر رکھا ہے نہ کہ مافوق الفطرت واقعات پر۔ اور یہی وہ مستقل کلیہ ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے سورۃ السجدہ میں بہ صراحت فرما دیا کہ "اب تو ان کا خیال چھوڑ کر اپنے پروگرام کی تکمیل کی طرف اور پھر اس کے نتائج کا انتظار کر۔ دوسری طرف یہ مخالفین اپنی روش کے نتائج کا انتظار کریں (وہ فیصلہ کن انقلاب خود آکر بتا دے گا کہ سچا کون ہے۔ (32 : 30)

مطلب یہ کہ حضورؐ فرما رہے ہیں کہ یہی نتائج میری صداقت کے آسمانی نشان ہونگے۔ اور پھر ایک زمانہ جانتا ہے۔ کہ دور رسالت بلکہ خلفائے راشدین کے زمانہ تک وہ نتائج کیسے رہے۔ کیا وہ نتائج حضورؐ کی صداقت کیلئے کافی نہیں ہیں یہ اصول کسی خاص قوم یا ملک کیلئے نہیں بلکہ تمام عالم انسانیت کیلئے ایک جیسا ہے لہذا اسکے اثرات سے ہم بھی باہر نہیں جا سکتے۔ خدا کے اٹل اور ابدی اصولوں کے تحت اگر ہم اپنے اعمال کے نتائج کا جائزہ لیں تو صورت حال امید افزا نہیں۔ اس وقت دنیا میں مسلمانوں کی آبادی ڈیڑھ ارب کے لگ بھگ ہے لیکن حالت یہ ہے کہ

ہماری بین الاقوامی حیثیت تقریباً نہ ہونے کے برابر ہے بظاہر ہم آزاد ہیں لیکن درحقیقت دوسروں کے محتاج اور دست نگر اس روش زندگی کو اللہ تعالیٰ نے عذاب کا نام دیا ہے۔

بہر حال یہ احساس کی بات ہے۔ اگر ایک لحظہ کیلئے بھی تدبر کر لیا جائے تو بگڑی بن سکتی ہے لیکن اسکے لئے اندھی تقلید اور اسلاف پرستی کا چوغہ اتارنا ہو گا۔ دل و دماغ کو آزاد سوچ و فکر کے مواقع فراہم کرنا بھی ایک عبادت ہے۔ میڈیکل سائنس کا ایک مسلمہ اصول ہے کہ انسانی جسم کے کسی اعضاء سے اگر کام لینا چھوڑ دیا جائے تو وہ بتدریج اپنا فنکشن ترک کر کے ناکارہ ہو جاتے ہیں۔ عالم اسلام میں بوعلی سینا، رازی، افغانی، سرسید، اقبال اور جناح اگر آج نظر نہیں آتے تو قدرت بخیل نہیں ہو گئی۔ سوچ کے معیار بدل گئے ہیں ذہنوں پر تقلید کا زنگ جم چکا ہے خلیفہ دوئم عمر بن الخطاب فاروق اعظم اس وقت کہلائے جب انہوں نے وحی کی روشنی میں حسن تدبر سے اپنا راستہ خود تلاش کیا۔ انکے مقام اور فضیلت کا اندازہ اس بات سے لگائیں کہ حضورؐ نے آپکو ایک موقع پر فرمایا۔ "یا اخی، مجھے اپنی دعا میں یاد رکھنا" اور فاروق اعظم جب کبھی حضور کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے "یا اخی" کے خطاب کو یاد کرتے تھے تو فرماتے تھے مجھے رسول اللہ کا "یا اخی" ان تمام اشیاء سے زیادہ محبوب ہے جن پر سورج طلوع ہوتا ہے۔

عالم اسلام کی ایسی عظیم ہستی نے شخصیت پرستی۔ اور روحانیت کو خود فریبی کے مظاہر قرار دیا۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ "عمر کی رائے وحی خداوندی نہیں۔ یہ ایک انسان کی رائے ہے جو غلط بھی ہو سکتی ہے۔ اسے سند اور سنت قرار نہ دو۔" فاروق اعظم نے قحط کے زمانے میں چوری کی سزا کو موقوف کر دیا جب مناسب سمجھا مسلمان اہل کتاب کی شادی کی اجازت معطل کر دی۔

LIBRATION OR SEPARATION

BY

Tanveer Mufti (Sweeden)

Every year in December, my Bangladeshi Muslim brothers celebrate the anniversary of their liberation. As a Muslim I have to think about what they were liberated from. I do not want to hurt anybody's feelings, but I have to question why we Muslims are so far away from Islamic ideology.

Allama Mohammad Iqbal presented the "Theory of Two Nations" and stated that it was from the Qur'an. According to the Qur'an, there are only two nations which exist on this earth, the Muslims and the Non-Muslims. The Qur'an says, *"It is He who has created you; and of you, are some that are Unbelievers, and some that are Believers; and God sees well, all that ye do"*.(64/2). In the Qur'an, the believers are called 'Mo'mmins' and the unbelievers are the 'Kaffirin'. According to Allama Iqbal's theory, all believers belong to one nation without any distinction of language, custom, culture or colour. *"The Believers are but, a single brotherhood"*. (49/10).

Prophet Mohammed (PBUH) exemplified this well. Non Arabs like the Bilal of Habsha (now Ethiopia), Salman of Faras (Iran) and Saheeb of Rome were closest to the Prophet (PBUH). They were not Arabs and their languages, culture and traditions were very different, but they all belonged to the same nation, the 'Nation of Islam'. On the other hand, Abu-Jahal of Mecca, an uncle of the Prophet (PBUH) and Abu-Lahab were Arabs, but they fought against the Prophet (PBUH). Also Abu Bakar's own son; Omar's uncle; and Ali's brother Aqeel were all on the other side, especially during wars. Prophet Noah (PBUH) did the same thing when he left his own son and the community. Prophet Abraham (PBUH) told his people, " ..... *And I will turn away from you (all) and from those whom ye invoke besides God*". (19/48)

This then is the definition of a 'Nation' in Islam. According to the Qur'an, the nation of Believers is called Ummat-a-Mohammedia. On the basis of the two nation theory, Pakistan was established as the first country in the name of Islam and its philosophy. The dream of Allama Iqbal was to lay the foundation of the Nation of Islam, because he was disappointed with the form of Islam in the Middle East countries and Iran. He saw the need to establish a state on purely Islamic grounds; one in which the Muslims of India could also be liberated from Hindu prejudice.

Non-Muslim nations, especially the western world did not accept the theory of two nations because they felt that if it became successful, then one day all Muslims of the world will unite and become one nation, thereby becoming major power to deal with.

During their colonial rule, non-Muslims started injecting nationalism in their colonies. It was in their interest to keep people separated on the grounds of their different languages, culture, caste, colour, traditions or faith. Whereas they succeeded in this, one effect was that their own countries began to be affected by nationalism. Hitler of Nazi Germany was one such example. Western countries now had to battle against nationalism at home. However, it still suited them to keep the rest of the world, particularly Islamic countries, apart. Take for example the European Community (EC). While more and more countries are joining EC, Turkey which has been trying to obtain membership for many years is still not being accepted due to its Muslims majority and Islamic traditions. Similarly, whereas all former Yugoslavian states could become independent, a major war resulted when Bosnia, with its Muslim majority declared independence. Serbian aggression on Muslims continued for 4-5 years and neither Europe nor the USA stopped this. Indirectly they even helped the Christian Serbs and Croates. See what the Qur'an says: *"The Unbelievers are protectors, one of another"*. (8/73)

Quite clearly they did not want a Muslim state in the heart of Europe, and now they are working on uniting their own people as a nation. They do not, however, want to see the Muslims as one nation. This then was the main reason for the separation of the Bengalis from Pakistan. The West, with the help of India which never accepted the liberation of Muslims, have been trying since 1947 to prove the two-nation theory wrong. They successfully manipulated unrest amongst the Bengali Muslims. The Qur'an warns: *"Ye who believe! Take not into your confidence, those outside your ranks; they will not fail to corrupt you. They only desire your ruin"*. (3/118). No Muslim should forget what Indira Gandhi said in the Indian parliament after the fall of

Dhaka. She stated that it was not the success of her government or the Indian army, but that it was the defeat of a 'wrong or false' ideology. To quote her: "Pakistan movement was built on a wrong ideology, and after 25 years, this has been proved". The Qur'an says that "*Rank hatred has already appeared from their mouths; what their hearts conceal is far worse*" (3/118). In fact India celebrated the defeat of the ideology of Islam, which Indira Gandhi called a 'wrong ideology'.

It is still not over. Pakistan is continuously a target of international conspiracies, because the west, which is the nation of non-Muslims, wants to prove that the theory of two nations was and is a failure. At regular intervals, there is unrest in Pakistan, with different 'nations' such as the Pathan, Punjabi, Sindhi, Baluchi and lately the Mahajirs, arising time and again. In fact there cannot be different nations in the nation of Islam. The Qur'an warns of such nationalism: "*Is that the better entertainment, or the tree of Zaqqum. For we have truly made it (as) a trial for the wrong-doers. For it is a tree that springs out of the bottom of hell fire. The shoots of its fruit-stalks, are like the heads of devils*". (37/62-65 and also 44/43-48). So why are these so called 'nations' being established, separating from main stream Islam; none winning anything - while the nation of Islam remains a definite loser?

Nobody denies the misjustice and oppression which the Pakistanis have suffered in Bengal. But family problems are not solved in this way. The West and Hindu India, with some Bengalis, created "mass psychosis" in Bengal. (Another example of mass psychosis was what happened to the Germans under Hitler.)

No society or religion can accept suppression, in any form. Islam too is very much against suppression. Such problems should be discussed and solved within the family. Unfortunately, the nation of non-Muslims was successful in exploiting Muslim family problems, and the army had to become involved to safeguard the ideology. The army certainly did many things which were regrettable and nobody can defend these, but what else could they have done?

Let me ask, what can the Bangladesh Government and army do to save the country and its ideology, if some people want to systematically hurt the nation, and to create separation, because they are getting support in this, from external enemies? It is not a matter of this particular country; no nation will allow the loss of its identity. Even western powers, who claim to promote human rights, will do whatever is necessary for their ideology and interests to be safeguarded. I must stress again; I am not defending any bloodshed or killings.

The ideology of Islam must be saved, and it is on this ideology that Pakistan was established. The nation of non-Muslims was successful in hurting the ideology of Islam and its theory of two nations. In recent times, the SEPARATION of Bengali Muslims became the biggest tragedy in the history of Islam. I believe that the nation of non-Muslims celebrated their victory much more than Bengalis did. The Qur'an mentions clearly, "*If aught that is good befalls you, it grieves them; but if some misfortune overtakes you, they rejoice at it*". (3/120).

We Muslims have one Allah, one Prophet (PBUH), one Book, the Qur'an, which is our constitution. Our languages can be different and our culture and traditions can differ but we are one; this is what Islam is saying. We have accepted Islam as an ideology. It was bestowed on Arabs and the constitution is written in Arabic, and we read it in Arabic. We say our prayers in Arabic, and at that time we do not think that it is not our language.

As long as we continue to consider ourselves as different nations, we can never be powerful. We cannot develop, because the nation of non-Muslims will never allow us to progress. We have ample evidence of this.

Thus it is a strange day of December, when some people of a nation celebrate with joy, while some of the same nation feel sorrow. I do not know whom to join.

To date Pakistan, due to non-Muslim conspiracies and corrupt politicians, has failed to prove the Theory of Two Nations. I wish and pray that the true Muslims of Bengal can come forward and take over that role for which Pakistan came into existence: to work for the one 'Nation of Islam'. I pray to my Allah, to unite the "Ummat-e-Wahda" the Nation of Islam. May Allah not allow us to be separated form Ummat-e-Muslimeen. Ameen.

I am a citizen of Sweden, but my Nationality is Islam.

known Englishman said: "On every catastrophe are written the words 'too late'." It may be that some of us today, on this Iqbal Day, resolve to make this Islamic State truly Islamic by the re-orientation of these fundamental things that bring about the realisation حتی یغیروا ما بانفسکم , thus paving the way towards a نشاۃِ ثانیہ or renaissance.

اے چشمِ جہاں بیں، بہ تماشای جہاں خیز از خوابِ گراں، خوابِ گراں، خوابِ گراں خیز
از خوابِ گراں، خوابِ گراں، خوابِ گراں خیز از خوابِ گراں خیز

WE ARE SURE YOU HAVE PAID THE SUBSCRIPTION FOR THE YEAR
1998.
TO SAVE THIS BOTHERATION EVERY YEAR YOU BECOME LIFE MEMBER

This is one more proof that the poet does not consciously take to reading but follows the mood. The wind bloweth where it listeth. The man who blames is wrong. The man who expects more is wrong. The poet is a poet-- neither a thinker nor a philosopher. So the ideas keep on agitating the poetic mind and the poet keeps on responding to them. The difference is that 'ideas' not 'sensations' are the agents.

The same is the case with Shakespeare, to give another example of a great poet. For centuries his people have tried to find his opinions. But the result has been no more successful than with Iqbal. Talking of Shakespeare, Aldous Huxley puts down his own experience in these words:

> "If you say absolutely everything, it all tends to cancel out into nothing, which is why no explicit philosophy can be dug out of Shakespeare. But as a metaphysics by implication, as a system of beauty --- truths constituted by the poetic relationships of scenes and lines .. The plays are the equivalent of a great theological summa. And, of course, if you chose to ignore the negatives that cancel them out, what extra-ordinary isolated utterances of perfectly explicit wisdom!"

Let me end this address by pointing out that these anniversaries are not ends in themselves. Unless they are celebrated with their full meaning, they will lead us no where. Let us make them Islamic in the true sense of the word: but Islamic they can become only when their real 'Meaning' is appreciated and their essential object realised. For Islam, while it does make use of forms to some extent, holds that they are only symbols of a deeper reality. Unless their true spirit is sought, and their meaning realised, they become only external shows a kind of idolatry, which Islam prohibits. As a poet says:

حیات چیست؟ جہاں را اسیر جاں کردن تو خود اسیر، جہانی کجا توانی کرد

So long as worldly purposes and outside shows are incentives of thesis celebrations, they are شرک. They become Islamic only when their true spirit is sought and followed.

I have already said that I have come here to try to clarify the position of Science, Philosophy and Arts in an Islamic State. It is necessary that we should take a correct stand in these matters, if we mean to survive, because, as a well-

ما از خدای گم شده ایم او بجستجوست
چوں ما نیاز مند گرفتارِ آرزوست

are merely reactions to Goethe's poem addressed to gods:

> "You lead us into life.
> Then you let the poor one become guilty
> Then leave him over in pain,
> Because all guilt is revenged on earth."

This is how Goethic speaks in his demoniac mood, while poor Hafiz would go only to the length of saying:

گناه اگرچه نبود اختیارِ ما حافظ — تو در طریقِ ادب کوش و گو "گناهِ من است"

When Iqbal reads لا اُحب الآفلین, he says "تراشیدم، پرستیدم، شکستم" "I too have created gods, worshipped them and broken them." Here he is not busy with his nor even in a mood to say.

خودی میں گم ہے خدا کی تلاش کر غافل — یہی ہے تیرے لیے اب فلاح کی راہ

He is not even building the خودی in that mood like Rumi who is all the time busy with his own naïfs and says: خام بدم، پختہ شدم، سوختم. Now put these words by the side of Iqbal's poetry تراشیدم، پرستیدم شکستم which occur in his following four verses:

ہزاراں سال با فطرت نشستم — با او پیوستہ و از خود گسستم
ولیکن سرگذشتِ ایں دو حرف است — تراشیدم، پرستیدم، شکستم

In this mood, Iqbal is visualising the man's search of Nature as a Scientist' who goes to study Nature without keeping in mind باسم ربک الذی خلق. If he had kept that اسم ربک in mind, then the process of ھزار سال being would not have produced this result. There too in الافاق there were enough آیات - Obviously خودگسستن would have made no difference, for فی الآفاق would have served the purpose. But the mood at that time was not الا. Had the reading been, as we said above, باسم ربک الذی خلق then لا would have intuitively led to الا.

Now which is the typical form of Greek art in which they could best express themselves and even hardly have on equal up to our times? It can be said without fear of contradiction that it is Sculpture and that too limited to the representation of 'Human Form'. No people have chiselled out of stone more beautiful human forms than the Greeks. The two best specimen of their art that they have left to the succeeding ages are Apollo of Belvendere and Venus of Milo. They disclose human form at its best. That is what inspired the Greek artist at a time when Dionysus was the chief Greek god and when the spirit of grape wine was the chief moving agent to put the man in his best spirits. There was no question at that time for man to seek anything but the external.

However, Iqbal calls our attention by these emphatic words:

اگر بسینۂ ایں کائنات در نہ روی نگاہ را بہ تماشا گذاشتن ستم است

And he further elucidates the point by declaring:

رقصِ تن در گردش آرد خاک را رقصِ جاں برہم زند افلاک را

To sum up our position, so far we have tried to show that Iqbal is not inspired at the level of 'form' and 'sensations' but at the level of 'Ideas'; in other words, the 'Meaning'. So far, then, his art is Islamic art, which he thinks has not yet come into existence. For the time being we are not in a position to talk about Painting and Music because that would be a subject by itself. The question is: does Iqbal deal with 'Ideas' as a philosopher would do? Does he sit down to analyse them, classify them, create theories out of them as a thinker would do? If that were so, Iqbal's poetry will not move us at all. It will be what we call 'didactic verse'. But the most of Iqbal's poetry is not only lyrical but most times moves our depths. So it satisfies the definition of Milton that it is 'emotional' and 'emotion-creating'. It differs from Milton's definition only in one respect, that it is not 'sensuous' but 'ideal'. The poetry of Iqbal could be defined as 'simple, sensuous and passionate'.

It is, therefore, that I have many years ago called Iqbal's works 'Museum of Ideas'. Almost every idea that was prevalent in his time, he takes note of as an object of artistic inspiration, is attracted and stimulated by it, and responds to it. He reads Nietzsche and for the time speaks in the language of Nietzsche because he has taken note of it. He even uses his phraseology. He calls peaceful men as 'lambs' گوسفند. At one time he is most impressed by Goethe, particularly by that which used to be called demoniac by Goethe. His شکوہ and such pronouncement as

Let us, therefore, examine the fundamental position of the Quran. The Quran starts with- اقرار. What- اقتراء indicates is: 'Read the meaning in the symbol'. The entire nature is a symbol to Quran. You have to catch at its meaning. When you have been the recipient of it, then make use of- بیان (expression) which has been taught to you. Expression is both verbal as well as written; the pen and the writing is emphasised in -ن والقلم ومایسطرون which is the 2nd surah of the Quran following- اقراء the first one.

Do these very first words of the Quran represent any values that were previously existent? We know only two fundamental values at the biological level: to assimilate food to preserve life and to propagate and perpetuate the human species. Here these two values are represented by feeding the mind and assimilating that food- اقتراء, and then to give birth and create an issue through self-expression. In one word, spiritual ones substitute the values at the biological level. That is the fundamental difference between the levels of earlier religions and Islam. Material life in Islam is only a means but the stress lies on the life of mind and spirit المال والبنون زینة الحیوۃ الدنیا. But the actual بنون are your spiritual issues. Whatever you produce from mind and spirit, are your children. Those who understand this much, have no difficulty in deciphering the actual position of Islam in the historical development of Religion.

With these preliminary viewpoints we are now in a position to review the history of Art, specially so far as it pertains to the Greeks: because that has been our pivotal point while examining the position of Science and Philosophy. When speaking of Greeks and of Ethics and Logic of Aristotle on the occasion of the Fifth Session of the Philosophical Congress (March 15) we said that at that particular juncture, man was just becoming aware of his mind, and the toddler mind was learning to lisp, uttering words and trying to express itself, although in some other parts of the earth it had gone far beyond that stage. For example, in China, Confucius's moral philosophy is miles ahead of Aristotelian Ethics. But, the West, as we mentioned above, becoming suddenly alive and conscious of itself and inspired by 'power- thought', chose to start philosophy from the Greeks. That has gone on since then. So far were they drunk with power that they believed that humanity could be kept in the dark for all times. They did not even realise that an attempt to turn the Greeks into 'Westerners' and entirely different from the 'Easterners' was a silly attempt, when the very words of the language of the Greeks disclosed that they were the nearest cousins of the Iranian people, and had gone only a few hundred miles from home to Asia Minor. Their development took place in Asia Minor and Egypt rather than in Greece.

understand the position of Islam in the evolution of man. Europe when it came of age refused even to admit that religion was subject to evolution and was historical. They persisted to write "Judaism, Islam and Christianity": they would not have Christianity before Islam, because the importance of Christianity would then be historically reduced. All the same, that writing to the understanding mind was a clear anachronism. It falsified and misrepresented History.

What is the main difference between Islam and other religions? The first and the foremost are that Islam reduced formalism and ceremonials to the minimum. Earlier religions emphasised 'ceremony' and 'form' to the utmost. No religious function was performed but as a ceremonial by the priest, and in a proper set-up in a formal place, be it a church or a synagogue. Even thinking was a sin in a devotee.

تا ز بخششہای آں سلطانِ دیں مسجدِ ما شد ہمہ روی زمیں

Here I may be excused for another deviation. It will not be out of place to explain here why I chose to come to Karachi to attend this function. This was mainly because during the last month (March) two important Conferences had taken place, one on Humanities and the other on Philosophy. In both of them I had somehow to participate. This enabled me to make the position of Islam clear so far as Science and Philosophy are concerned. The present occasion was a Godsend occasion for me to put down my ideas about Art and Islam, especially in the presence of Iqbal's suggestion that Islamic art has not come into existence at all.

So far we have been talking about poetry directly or indirectly. A few words about the position of Islam may be permitted. Sufficient talk about Nature has also gone on in Iqbal's phraseology, although at times Iqbal separates Nature as 'is' from Art as 'ought', and makes one believes as if Art is outside Nature. Here we might for the sake of clarification, quote the Shakespearean lines:

> "Nature is made better by no means
> But Nature makes that mean."

bound up with the sensuous. No lyric poetry ever came into existence but through the sensuous. They considered talk about 'ideas' as cold philosophical teaching through the form of verse. Therefore, to them such a composition was more 'formal' than inspired. Here Iqbal runs down the very 'Form' itself. He wants 'Meaning' and nothing less. Rumi goes much further. He will have nothing to do with 'Forms' of any kind. Ghazzali in his own inimitable philosophic way puts it down that the next universe is the universe of 'meaning' not of 'form'.

Now any one might ask, can 'meaning' reach us unless it is dressed in a 'form'? Idea is defined as 'meaning of a symbol', yet there are no ideas apart from symbols, whether natural or linguistic, expressing and embodying them.

The reply to these arguments is that the 'form' cannot be done away with, but the stress and the spotlight is on the 'meaning' and not on 'form' as such. This may be illustrated this wise. In earlier times, discovery of a plot and originality of a tale was the main glory of a literary composition. The Quran changed all that. It relates old qisas (stories) with an entirely new significance. The "qissa" (tale) itself was of no importance; it was the new wine put in old bottles that mattered. Iqbal would not be satisfied only with wine in a bottle but seeks significance further than wine itself:

یارب درونِ سینۂ دل باخبر بدہ در بادہ نشہ را نگرم آں نظر بدہ

This Quranic lead initiated and set up a new fashion in the literary world, that the most representative writers of the nation unconsciously followed. Dante and Shakespeare would take up an old tale and would try to give it a new meaning. All the Shakespearean plots are old stories. He has not invented a single one. But the meaning that he has given them is entirely new. Milton followed suit. Goethe, the most representative of the German literati also instinctively followed this fashion. His Faustus was treated by many writers before him, and so also his "Iphigenia." But the "Iphigenia" and the "Faustus" of Goethe have entirely different significance than the earlier works. All this proves, as we have been mentioning all along, that Meaning and not the Form had become of consequence, since the Quran came.

Now the point that needs further clarification is: How is it Islamic? We have already mentioned that the Quran set the fashion. But that was only our implication. At the present time, more that at any other period in Muslim History, it is necessary for the people who call themselves 'Muslims' clearly to

اقبال نے کل اہلِ خیاباں کو سنایا — یہ شعرِ نشاط آور و پُرسوز و طربناک
مَیں صوتِ گل و دستِ صبا کا نہیں محتاج — کرتا ہے میرا جوشِ جنوں میری قبا چاک

Still a further elucidation of the point comes:

اے اہلِ نظر ذوقِ نظر خوب ہے لیکن — جو شے کی حقیقت کو نہ سمجھے وہ نظر کیا
الفاظ کے پیچوں میں الجھتے نہیں دانا — غواص کو مطلب ہے صدف سے کہ گہر سے

This last one, not to tire the reader, brings out the very word "Meaning" the significance of which we will speak later on:

جس معنیٔ پُرپیچ کی تصدیق کرے دل — قیمت میں بہت بڑھ کے ہے تابندہ گہر سے

Rumi went very much further. Even at the cost of being- گستاخ he declared

ما ز قرآں مغز را برداشتیم — استخواں پیشِ سگاں انداختیم

All this should make it clear to the reader, that Iqbal's concern is 'Meaning' and not the 'Form'. However, it should not be understood that he avoids the forms or concerns himself exclusively with the Meaning. That will amount to misreading the situation. It is not that he avoids Form deliberately, but rather the agent of inspiration if 'meaning', not 'form'. This inspiration, as Iqbal himself says, is a natural 'gift' ---

ذالك فضل الله يوتيه من يشاء

His inspiration does not arise at the level or 'Form' but at the level of Idea.

This brings us to the definition of poetry, the classical one, that Milton once formulated. He said poetry must be "simple, sensuous passionate". But we find that Iqbal will have nothing to do with the 'sensuous'. All the verses that we have quoted above make it perfectly clear that he is neither moved by the 'sensuous' nor the 'sensation'. His inspiration is set in motion only at the level of 'Idea' or 'Meaning'. The earlier writers would have called this kind of poetry as 'didactic verse' not fit to be called 'poetry' at all, became their inspiration was

recitation of a single decadent, if his art can lure his fellows to his song or picture, may prove more ruinous to a people than whole battalions of an Attila or a Changez."

For the time being, we need not worry about the actual words of Iqbal (which might be misinterpreted as we mentioned above) that the artist is to put in conscious efforts to achieve as great a result as- تخلقوا باخلاق اللہ. For the nonce, we might address ourselves only to one problem: What is "Islamic poetry" and how does it differ from the non-Islamic one? Having established that there are many varieties of art, we will try to find out what kind is Iqbal's art, and whether by any chance it does present what he conjectured to be 'Islamic poetry'.

Between the Greeks and Tolstoy came the master of Iqbal, the great Rumi, whose opinion we will quote below in his own words. En passant we may quote Caliph Umar who said.

كان الشعر علم قوم لم يكن لهم علم اصح منه

Now says *Rumi*:

یاراں کہ نزد من می آئند از بیم آں کہ مسلول شوند، شعری گوئم تا بداں مشغول شوند ورنہ من کجا شعر از کجا! واللہ کہ من از شعر بیزارم بپیش من بدتر ازاں چیزی نیست۔

Thus, Rumi composed poetry for the entertainment of his friends and that, in his own words, he was actually "sick of sha'r".

Now we may quote Iqbal's own words about his poetry. Says he:

مری نوائے پریشاں کو شاعری نہ سمجھ — کہ میں ہوں محرمِ رازِ درونِ میخانہ
نہ بادہ ہے، نہ صراحی، نہ دورِ پیمانہ — فقط نگاہ سے رنگیں ہے بزمِ جانانہ

Obviously. Iqbal considers "sight". (Nigah) as the essences of poetry, all else being trappings and means to express it. He tries to explain his concept of nigah (sight) as:

خرد کے پاس خبر کے سوا کچھ اور نہیں — ترا علاج نظر کے سوا کچھ اور نہیں

He further clears his position in the following beautiful lines:

The words are a bit ambiguous. Someone might think that the artist has to put in a continuous efforts to harmonise 'is' with 'ought'; or that Nature plays no essential part in our lives. But that would not be correct. Iqbal himself says:

نوایِ من ازاں پُرسوز بے باک و غم انگیز است
بخاشاکم شرار افتاد و بادِ صبحدم تیز است

Obviously- بادِ صبحدم represents the environment or Nature that enables the spark - شرارہ to flare up.

The fact is that in the artist 'is' is harmonised with 'ought' by Nature itself, and his function in human society, therefore, is to bring a resolution of discord between 'is' and 'ought' by sheer warbling. If so, why then so much criticism of the warbler! Why the reproach - يتبعهم الغاوون Why even الشعر الشعراء و عادیهم الی النار- even though the modification comes through- ان من البیان لسحرا and ان من الشعر لحکمة- So then, there seem to be two kinds of poets: some speak hikmat while others only lead to eternal fire.

We get a hint form Iqbal, however unconscious, in the last passage of his 'Foreword; in which he says:

> "And in so far as the cultural history of Islam is concerned, it is my belief that with the single exception of Architecture, the art of Islam (Music, Painting and even Poetry) is yet to be born -- the art, that is to say, which aims at the human assimilation of divine attributes- تخلقوا باخلاق الله".

This clearly indicates that there are not only different kinds of poetry and art, but also there is a possibility of 'Islamic poetry' and 'Islamic art'. Here it may be pointed out that the Quran and Iqbal are not the only sources to suggest this variety, but as early as Greek times, Plato won't have poets in his Republic. Even in more recent times, Tolstoy was dead against the art of his day---music included. The dangers of a 'doubtful art' we may again describe in the words of Iqbal himself from his very same 'Foreword'.

> "The spiritual health of people largely depends on the kind of inspiration which their poets and artists receive. But inspiration is not a matter of choice. It is a gift, the character of which cannot be critically judged by the

ALLAMA IQBAL*

By

Allama I.I.Kazi

بِسْمِ ٱللَّهِ ٱلرَّحْمَٰنِ ٱلرَّحِيمِ

مَن كَانَ يُرِيدُ ٱلْحَيَوٰةَ ٱلدُّنْيَا وَزِينَتَهَا نُوَفِّ إِلَيْهِمْ أَعْمَٰلَهُمْ فِيهَا وَهُمْ
فِيهَا لَا يُبْخَسُونَ ﴿١٥﴾ أُو۟لَٰٓئِكَ ٱلَّذِينَ لَيْسَ لَهُمْ فِى ٱلْءَاخِرَةِ إِلَّا ٱلنَّارُ
وَحَبِطَ مَا صَنَعُوا۟ فِيهَا وَبَٰطِلٌ مَّا كَانُوا۟ يَعْمَلُونَ ﴿١٦﴾

وَأَوْحَىٰ رَبُّكَ إِلَى ٱلنَّحْلِ أَنِ ٱتَّخِذِى مِنَ ٱلْجِبَالِ بُيُوتًا وَمِنَ
ٱلشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُونَ ﴿٦٨﴾ ثُمَّ كُلِى مِن كُلِّ ٱلثَّمَرَٰتِ فَٱسْلُكِى سُبُلَ رَبِّكِ
ذُلُلًا يَخْرُجُ مِنۢ بُطُونِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ أَلْوَٰنُهُۥ فِيهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ إِنَّ
فِى ذَٰلِكَ لَءَايَةً لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ ﴿٦٩﴾

I am very grateful to the President and the Council of the Iqbal Academy for having given me this opportunity to share the honour of participating in this important function.

The resurrection of mud was the rose. Or, you may say *gil* rose as *gul*, while it was destined for the honeybee to become the poet. Iqbal in his 'Foreword' to Ghalib's illustrated edition, *MURAAQQA-I-CHUGHTAI*, says: "The modern age seeks inspiration from Nature. But Nature simply 'is' and her function is mainly to obstruct our search for 'ought' which the artist must discover within the deeps of his own being."

*** Address at the Iqbal Day Celebrations at Karachi (April 1958)**

DAMP - DECAY - MOISTURE ???

NO WORRY

WE PROTECT YOUR HOUSE

AGAINST
DAMP-DECAY-MOISTURE-LEAKGE
AND
MEND, FILL, SEAL AND REPAIR
THE CRACKS, FISSURES, RAIFTS, GAPS AND
EXPANSION JOINTS TO ASTM STANDARDS

PLEASE CALL US TO DEMONSTRATE
HOW WE DO IT

SAFTY SEALERS(Pvt) LTD

GALAXY SHOPPING CENTRE
115 FEROZEPUR ROAD
LAHORE
Phone 7573615 -417254

ALLAMA IQBAL ROAD
KARACHI

Phone 4557176

FOUNDED IN 1938 AT THE BEHEST OF ALLAMA IQBAL ® AND QUAID- E-AZAM

R L NO.CPL-22
VOLUME : 51
ISSUE 04

Monthly
Tolu-e-Islam

AMBER®
CAPACITORS

The National Name For International Quality

AMBER—The most versatile range of single and three phase capacitors in world class quality—quality that combines Italian and Japanese technology—technology that takes the form of strict QC and performance testing at every stage of production. Manufactured to international standards and specifications.

Our range of products include:

- Motor Start-Run Capacitors
- Fluorescent Lamp Capacitors
- Power Factor Improvement Capacitors

AMBER® CAPACITORS The national name for international qualit

We also manufacture to your specifications.

AMBER CAPACITORS LIMITED

Climax House, 16-Link McLeod Road, P.O. Box 468, Lahore-Pakistan
Phone: +92 42 722 5865 & 722 6975 Fax: +92 42 723 2807 & 586 6617 Tlx: 44335 AMBER PK